e-paper www.avadhnama.com
Postal Registration No. GPOLW/MP-50/2012-14 • RNI No. UPURD/2001/6110

اودھ نامہ
روزنامہ
avadhnama

Rs.3/- Vol- 23 , Issue, 284 Wednesday , July 17 2024 Pages -8
قیمت ۳/روپیہ جلد نمبر(۲۳) شمارہ نمبر(۲۸۴) لکھنؤ، بدھ ۱۷-جولائی ۲۰۲۴ء، مطابق ۱۰/محرالحرام -۱۴۴۶ھ صفحات-۸

"میں نے کربلا کی داستان اس وقت پڑھی جبکہ میں نوجوان ہی تھا اس نے مجھ کو دم بخود کردیا۔ میں نے کربلا کے ہیرو کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا تو مجھے یقین ہوگیا کہ ہندوستان کی نجات حسین رضی اللہ عنہ اصولوں پر عمل کرنے سے ہوسکتی ہے"
(موہن داس کرم چند گاندھی)

امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کے ایام کی آمد کی مناسبت سے آیت اللہ خامنہ ای کی ویب سائٹ KHAMENEI.IR آپ کی تقاریر کے اقتباسات کی روشنی میں قیام عاشور کے نتائج، خصوصیات اور اہداف کا ایک خاکہ پیش کر رہی ہے۔ مندرجہ ذیل مطالب میں قیام عاشورا کی خصوصیات کی تشریح پیش کی جا رہی ہے۔

قیام حسینی کی انفرادیت وابدیت کا راز

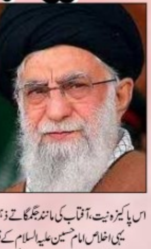

۱. اخلاص

قیام حسینی کی اہم ترین خصوصیات میں سے ایک اخلاص ہے۔ حسین ابن علی کی تحریک صرف اور صرف، خالصتا اللہ کے لئے، دین کے لئے اور مسلمانوں کی اصلاح کے لئے تھی، اس میں کسی طرح کا کوئی اور شائبہ نہیں تھا۔ یہ جو حسین ابن علی علیہ السلام نے فرمایا: »انّی لم اخرج اشرًا ولا بطرًا ولا ظالمًا ولا مفسدًا« خود نمائی نہیں ہے، اپنا لوہا منوانا مقصد نہیں ہے، اپنے لئے نہیں، کسی چیز کی طلب کے لئے نہیں، نمائش کے لئے نہیں۔ ذرہ برابر ستم اور فساد اس تحریک میں نہیں ہے۔ »وانما خرجتُ لطلب الاصلاح فی امۃ جدی« یہ بڑا کلیدی نکتہ ہے۔ انّما: بس یہی، یعنی کوئی دوسرا ہدف ومقصد اس پاکیزہ نیت، آفتاب کی مانند جگمگاتے ذہن کو مکدر نہیں کر سکتا (16 جنوری 1994)۔

یہی اخلاص امام حسین علیہ السلام کے قیام کی ابدیت کا ضامن ہے:

امام حسین علیہ الصلاۃ والسلام کا عمل ایسا ہے جس میں سوئی کی نوک کے برابر بھی کسی اور نیت کی آمیزش نہیں ہے۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ یہ خالص عمل آج تک باقی ہے اور تا ابد باقی رہے گا (16 جنوری 1994)۔

۲. عقل و منطق

امام حسین علیہ السلام کی تحریک عقل ومنطق پر استوار تحریک تھی۔ اسلامی معاشرہ امام کا معاشرہ ہے۔ لیکن بنی امیہ نے اسلام میں امامت کی جگہ ملوکیت اور بادشاہت رائج کر دی (9 جون 1996)۔ ایسے حالات میں مسند اقتدار پر بیٹھنے والا یزید نہ تو عوام الناس سے کوئی رابطہ رکھتا تھا، نہ اس کے پاس علم تھا، نہ پرہیزگاری تھی، نہ پاکدامنی تھی، نہ پارسائی تھی، نہ راہ خدا میں جہاد کا کوئی ماضی تھا، نہ اسلام کے روحانی امور پر اس کا کوئی عقیدہ تھا، نہ اس کا طرز عمل مومنانہ تھا نہ گفتار حکیمانہ تھی۔ اس کی کوئی بھی خصوصیت پیغمبر سے مشابہت نہیں رکھتی تھی۔ ایسے حالات میں حسین ابن علی علیہ السلام کے لئے جو پیغمبر کی جانشینی کی مکمل شائستگی رکھتے تھے، ایک مرحلہ پیش آیا اور آپ نے قیام کیا (14 اپریل 2000)۔

حسینی تحریک اس حکمرانی کے خلاف بغاوت کی فکر پر مبنی تھی جس نے اسلامی امت پر سب سے بڑا انحراف مسلط کر دیا تھا۔ اس تحریک میں عقل ومنطق کا عنصر حضرت کے بیانوں میں نمایاں ہے۔ تحریک کے آغاز سے پہلے بھی، مدینہ میں آپ کی موجودگی کے وقت سے آپ کے یوم شہادت تک۔ یہ نورانی بیانات بڑی پختہ منطقی فکر کو پیش کرتے ہیں (25 جنوری 2006)۔

منجملہ:

حضرت دشمن فوج سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: »**ایها النّاس، انّ رسول الله (صلّی الله علیه وآله) قال:** »**من رأی سلطاناً جائراً مستحلاً لحرام الله، ناکثاً لعهد الله، مخالفاً لسنّة رسول الله یعمل فی عباد الله بالاثم والعدوان ثم لم یغیّر بقول ولا فعل کان حقّاً علی الله ان یدخله مدخله**« یعنی اگر معاشرے میں کوئی کسی حاکم کو دیکھے جو ظلم کر رہا ہے، حرام خدا کو حلال سمجھتا ہے، حلال خدا کو حرام قرار دیتا ہے، حکم الٰہی کو نظر انداز کرتا ہے، اس پر عمل نہیں کرتا، دوسروں کو اس پر عمل کی ترغیب نہیں دلاتا، یعنی لوگوں کے درمیان گناہ، عناد اور ظلم کر رہا ہے، بدعنوان، ظالم وجابر حکمراں ہے جس کا مکمل مصداق یزید تھا، » و **لم یغیّر بقول ولا فعل** «، اور اپنی زبان اور عمل سے اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتا تو »**کان حقّاً علی الله ان یدخله مدخله** « اللہ تعالی قیامت کے دن اس خاموش تماشائی، بے پروا اور بے عمل شخص کو اسی ظالم کے انجام میں مبتلا کرے گا، یعنی اسے اسی کی صف میں اور اسی کے زمرے میں قرار دے گا۔ یہ پیغمبر نے فرمایا ہے (9 جون 1995)۔

۳. وقار

حضرت امام حسین کے قیام کی ایک اور خصوصیت تھی وقار:

امام حسین کی تحریک وقار کی تحریک تھی۔ یعنی حق کے وقار، دین کے وقار، امامت کے وقار اور اس راستے کے وقار کی تحریک تھی جو پیغمبر نے پیش کیا تھا۔ امام حسین علیہ السلام وقار کا مظہر تھے اور جب ثابت قدمی کے ساتھ کھڑے ہو گئے تو مایہ فخر ومباہات قرار پائے۔ یہ حسینی وقار وافتخار ہے۔ کبھی کوئی شخص ایک بات کہتا ہے۔ اپنی بات کہہ دیتا ہے اپنا مافی الضمیر بیان کرتا ہے لیکن اس بات پر قائم نہیں رہتا بلکہ کبھی پسپائی بھی اختیار کر لیتا ہے۔ ایسے شخص کو افتخار کرنے کا حق نہیں ہے۔ افتخار کا حق اس انسان، اس قوم اور اس جماعت کو ہے جو اپنی بات پر قائم رہے اور جو پرچم اس نے بلند کر دیا ہے اسے کسی طوفان اور کسی ہوا کے جھونکے سے گرنے نہ دے۔ امام حسین علیہ السلام نے اس پرچم کو بڑی مضبوطی سے تھامے رکھا (29 مارچ 2002)۔

یہ خصوصیت تحریک حسینی میں جا بجا نظر آتی ہے:

امام حسین نے جب ایک شب کی مہلت لی تب بھی آپ کا انداز پروقار تھا۔ آپ جب فرماتے ہیں: »ل من ناصر « طلب نصرت کرتے ہیں تب بھی آپ کا انداز پروقار ہے۔ جب مدینے سے کوفے کے سفر میں ہیں اور مختلف افراد سے آپ کی ملاقات ہوتی ہے اور ان سے گفتگو ہوتی ہے اور ان میں بعض کو آپ اپنے ساتھ آنے کی دعوت دیتے ہیں تو یہ دعوت بھی کمزوری اور ناتوانی کے احساس کے ساتھ نہیں ہے۔ یہ بڑی نمایاں خصوصیت ہے (25 جنوری 2006)۔

۴. بیکسی و مظلومیت

امام حسین علیہ السلام ظلم وجور کے خلاف اپنی تحریک اور جدوجہد میں اسلام کے احیاء کے لئے بے کسی کے عالم میں میدان میں اترے۔ سب سے سخت جدوجہد وہ ہے جس میں انسان تنہا ہو۔ عاشورا کے واقعے میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ عبد اللہ ابن عباس اور عبد اللہ ابن جعفر جیسے افراد بھی جو خود خاندان بنی ہاشم اور اسی شجرہ طیبہ سے تعلق رکھتے ہیں، مکے میں یا مدینے میں قیام کرنے اور آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کر پائے، امام حسین کے نام کا نعرہ نہیں لگا سکے۔ ایسی جدوجہد تنہائی کی جدوجہد ہے جو سب سے سخت جدوجہد ہوتی ہے۔ ہر کوئی دشمنی پر تلا ہوا، ہر کوئی روگردانی پر مصر! امام حسین علیہ السلام کی جدوجہد میں بعض احباب بھی مخالف ہو گئے۔ حضرت نے ایک سے فرمایا: میرے ساتھ آؤ مگر اس نے نصرت کے بجائے اپنا گھوڑا امام حسین کے پاس بھیج دیا اور کہا کہ آپ میرا گھوڑا استعمال کیجئے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا تنہائی ہوگی، اس سے زیادہ شدید غربت کا عالم کیا ہوگا؟! پھر اس عالم غربت کے جہاد میں آپ کے پیارے آپ کی آنکھوں کے سامنے شہید ہو گئے (7 جون 1994)۔

امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت آپ کی اسی تنہائی کا نتیجہ ہے

(بقیہ صفحہ نمبر 7 پر)

السلام علیک یا ابا الشہداء

یوم عاشورا! ظالم پر مظلوم کی فتح

نواب علی اختر

ظلم انسانی فطرت سے سازگار نہیں۔ جب ضمیر مر جاتا ہے تو انسان ظلم کی بیساکھیوں کا سہارا لینا شروع کر دیتا ہے۔ ظلم فقط کسی کو ناحق مار دینے کا نام نہیں بلکہ چیونٹی کے منہ سے ایک دانہ چھین لینے کا نام بھی ظلم ہے اور حق بات کو تعصب، ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث نہ ماننا بھی ظلم ہے۔ 61 ہجری میں ماہ محرم کی 10 ویں تاریخ کو سرزمین کربلا پر تاریخ بشریت کا ایک ایسا انوکھا واقعہ رونما ہوا جس نے مقتول کو قاتل پر، مظلوم کو ظالم پر، پیاسے کو سیراب پر، اسیر کو آزاد پر اور محکوم کو حاکم پر غلبہ عطا کر دیا۔ یہ واقعہ اس لیے بھی انوکھا تھا کہ بظاہر صحرا کے وسط میں پیش آیا تھا اور حکام وقت کے منصوبے کے مطابق اسے وہیں پر دفن ہو جانا چاہیے تھا لیکن یہ واقعہ دفن ہونے کے بجائے ہر روز زندہ اور روشن ہوتا جا رہا ہے۔ یوں تو تاریخ عرب جنگوں سے بھری پڑی ہے لیکن ان جنگوں میں اور اس معرکے میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ وہاں ظاہری اعداد وشمار اور غلبے کو فتح کا معیار سمجھا جاتا تھا جبکہ یہاں ظاہری قلت کو حقیقی فتح کا درجہ حاصل ہے، یہاں بظاہر مر جانے والا درحقیقت فاتح قرار پایا ہے۔ ارباب فکر کے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ آخر وہ کون سی شئے ہے جس نے لاؤ لشکر کے باوجود یزید کو سرنگوں کر دیا اور تہی دست ہونے کے باوجود نواسہ رسول حضرت امام حسینؑ کو سربلند بنا دیا۔ ہمارے سامنے تاریخ بشریت دانش مندوں کے کارناموں سے بھری پڑی ہے اور علم ودانش کا سلسلہ اولاد آدم کے درمیان ابتداء آفرینش سے ہی چلتا آ رہا ہے مگر تاریخ بشریت شاہد ہے کہ کسی بھی دانشور یا مفکر نے اپنے علم ودانش سے امام حسین جیسا کام نہیں لیا۔

ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ امام حسینؑ کا قیام ظاہری حکومت کے لیے تھا چنانچہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد حکومت کو گرانے کے لئے جو تحریکیں چلیں انہوں نے خونِ حسین کے انتقام کا نعرہ لگایا اور ان تحریکوں نے امام حسینؑ کی شکست کو فتح میں تبدیل کر دیا لیکن اس ضمن میں ہم یہ عرض کیے دیتے ہیں کہ کیا امام نے جناب محمد بن حنفیہ کے نام وصیت نامے میں طلب حکومت سے انکار نہیں کیا تھا؟ کیا امام حسینؑ نے مکہ میں روز عرفہ کو یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں فقط امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور اپنے نانا کی امت کی اصلاح کے لیے نکل رہا ہوں؟ اگر امام کا قیام حکومت کے لیے تھا تو خواتین اور بچوں کو کیوں ساتھ لے گئے؟ اگر امام کی کوشش فقط حکومت کے لیے تھی تو جب آپ کو سامنے شکست نظر آ رہی تھی تو صلح کیوں نہیں کی یا جنگی ساز وسامان کا بندوبست کیوں نہیں کیا؟

جو انتقامی تحریکیں اپنے آپ کو زیادہ عرصے تک قائم نہیں رکھ سکیں وہ امام حسینؑ کو کیا فتح عطاء کر سکتی ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کوئی شخص یہ کہے کہ یہ دو شہزادوں یا دو خاندانوں یا دو قبیلوں یعنی بنی ہاشم اور بنی امیہ کی جنگ تھی۔ تو اس سلسلے میں ہم یہ کہیں گے کہ کسی انسان کا یہ سوچنا ہی اسلام فہمی سے دوری کی علامت ہے۔ چونکہ جس شخص کو ذرا سی بھی اسلامی معارف سے آگاہی ہو اس پر یہ واضح ہے کہ امام حسین محبوب رسول اور سردار جنت کا درجہ رکھتے ہیں، لہذا حضرت امام حسینؑ سے بغض اور لڑائی کسی شہزادے یا قوم یا قبیلے کے ساتھ لڑائی نہیں بلکہ خدا اور رسول کے ساتھ جنگ کربلا میں ظالم پر مظلوم کی فتح کے حقیقی سبب کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ ہم تحریکِ کربلا کا تحلیلی مطالعہ کریں۔ جب ہم تحلیلی مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ امام حسینؑ نے کتابِ کربلا کے ورق ورق کو اپنے تدبر اور بصیرت کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ بلاشبہ کربلا کی عسکری جنگ کا نقشہ یزید اور اس کے حواریوں نے تیار کیا تھا لیکن کربلا کی فکری جنگ کا نقشہ امام نے تیار کیا۔ آپ نے مدینے میں حاکم مدینہ کی طلب بیعت سے لے کر قیام مکہ تک اور قیامِ مکہ سے لے کر میدان کربلا تک لمحہ بہ لمحہ واقعات کو حسن تدبر کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔ حاکم مدینہ کے دربار میں آپ کی گفتگو اور اس کے بعد شہادت تک کے تمام تر خطبات اور واقعات کو سامنے رکھ کر تجزیہ وتحلیل کرنے سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ وہ شئے جس نے کربلا کو ایک ابدی فتح میں تبدیل کر دیا وہ امام کا خلوص اور مدبرانہ حکمت عملی تھی کہ جس سے آپ نے اس تحریک کو جاوداں بنا دیا۔ آج اگر ہم مسلمان دنیا میں ناکام ہیں تو اس کی ایک اہم وجہ ہمارے درمیان دین کی خاطر فداکاری وجان نثاری سے گریز اور مدبرانہ حکمت عملی کا فقدان ہے۔ مدبرانہ حکمت عملی نہ ہونے کے باعث آج ہم یزیدان عصر اور اسلام دشمن طاقتوں سے ٹکرانے کے بجائے آپس میں ٹکرا رہے ہیں، دین کی خاطر جان نثاری اور فداکاری کو نہ سمجھنے کے باعث ہمارے جان نثاری کے جذبے اسلام دشمن طاقتیں فائدہ اٹھا رہی ہیں اور ہم اپنے ہی ہم وطنوں کو خاک وخون میں غلطاں کر رہے ہیں۔ اگر ملت اسلامیہ خلوص دل کے ساتھ امام حسینؑ کے نظریہ حریت، جانثاری اور آپ کی حکمت عملی کے سائے میں یزیدانِ وقت کے خلاف متحد ہو کر اپنی جدوجہد کا آغاز کرے تو دنیا کے کسی بھی خطے میں کوئی بھی باطل قوت مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکتی اور ہم آج بھی فاتح بن سکتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر 7 پر)

شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا مقصد

ترتیب: عبدالعزیز

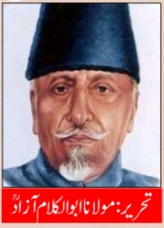

تحریر: مولانا ابوالکلام آزادؒ

شہادت حسین رضی اللہ عنہ فی الحقیقت، حق وصداقت، آزادی وحریت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ایک عظیم الشان انسانی قربانی تھی جو صرف اس لئے ہوئی کہ تاکہ پیروان اسلام کیلئے ایک اسوۂ حسنہ پیش کرے اور اس طرح جہاد حق وصداقت اور اس کے ثبات واستقامت ہمیشہ کیلئے ایک کامل ترین مثال قائم کرے، پس جو بے خبر ان کو رونا چاہئے اور جو روتے ہیں ان کو صرف رونے ہی پر اکتفا نہ کرنا چاہئے۔ ان کے سامنے سید الشہداء نے اپنی قربانی کا ایک اسوۂ حسنہ پیش کر دیا ہے اور کسی روح کیلئے ہرگز جائز نہیں کہ محبت حسینؓ کی مدعی ہو اور جب تک اسوۂ حسین کی متابعت کا اپنے اعمال کے اندر سے ثبوت نہ دے۔

دنیا میں ہر چیز مرجاتی ہے کہ فانی ہے مگر خون شہادت کے ان قطروں کیلئے جو اپنے اندر حیات الٰہیہ کی روح رکھتے ہیں فنا نہیں ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق…… ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

1) سب سے پہلا نمونہ جو یہ حادثۂ عظیم ہمارے سامنے پیش کرتا ہے دعوت الی الحق اور حق وحریت کی راہ میں اپنے تئیں قربان کرنا۔ بنی امیہ کی حکومت ایک غیر شرعی حکومت تھی۔ کوئی حکومت جس کی بنیاد جبر وشخصیت پر ہو کبھی بھی اسلامی حکومت نہیں ہوسکتی۔ ایسی حالت میں ضروری تھا کہ ظلم وجبر کے مقابلہ کی ایک مثال قائم کی جاتی اور حق وحریت کی راہ میں جہاد کیا جاتا۔ حضرت سید الشہداء نے اپنی قربانی مثال قائم کر کے مظالم بنی امیہ کے خلاف جہادِ حق کی بنیاد رکھی اور جس حکومت کی بنیاد ظلم وجبر پر تھی اس کی اطاعت ووفاداری نہیں کی جاسکتی۔ پس یہ نمونہ تعلیم کرتا ہے کہ ہر ظالمانہ وجابرانہ حکومت کا اعلانیہ مقابلہ کرو اور کسی ایسی حکومت سے اطاعت وفرماں برداری کی بیعت نہ کرو جو خدا کی بخشی ہوئی انسانی حریت وحقوق کی غارت گر ہو اور جس کے احکام مستبدہ وجابرہ کی بنیاد صداقت وعدالت کی جگہ، جبر وظلم پر ہو۔

2) مقابلہ کیلئے یہ ضروری نہیں کہ تمہارے پاس وقت وشوکت مادی کا وہ پورا ساز وسامان بھی موجود ہو جو تمہاری ظالموں کے پاس ہے کیونکہ حسین بن علیؓ کے ساتھ چند ضعفاء ومساکین کی جمعیۃ قلیلہ کے سوا اور کچھ نہ تھا، حق وصداقت کی راہ نتائج فکر سے بے پروا ہے۔ نتائج کا مرتب کرنا تمہارا کام نہیں، یہ اس قوت قادرہ، عادلہ والٰہیہ کا کام ہے جو حق کو باوجود ضعف وفقدان انصار کے کامیاب وفتح مند کرتی اور ظلم وستم کو باوجود حمیت وعظمت دنیوی کے نامراد کرتی ہے۔ ایسے موقع پر ہمیشہ مصلحت اندیشیوں کا خیال دامن گیر ہوتا ہے جو فی نفسہ اگرچہ عقل ودانائی کا ایک فرشتہ ہے لیکن کبھی کبھی شیطان رجیم بھی اس کے بھیس میں آ کر کام کرنے لگتا ہے۔ نفس خادع حیلہ تراشیاں کرتا ہے کہ صرف اپنے تئیں کٹوا دینے اور چند انسانوں کا خون بہا دینے سے کیا حاصل؟ توپ وتفنگ اور تخت وسلطنت کا مقابلہ کس نے کیا ہے کہ ہم کریں؟ آخری سوال کا جواب میں دے سکتا ہوں، تاریخ عالم کی صدہا مثال مقدسہ ومحترمہ جہاد قطع نظر تمہارے سامنے خود مظلوم کربلا کی مثال بھی موجود ہے تم کہتے ہو کہ چند انسانوں نے حکومت کی قوتوں اور ساز وسامان کا مقابلہ کب کیا ہے؟ کہ کبھی بھی کیا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ حسین ابن علیؓ نے صرف 62 یا 74 بھوکے پیاسے انسانوں کے ساتھ اس عظیم الشان حکومت قاہر وجابر کا مقابلہ کیا جس کے حدودِ سلطنت ملتان اور سرحد فرانس تک پھیلنے والے تھے۔ اور گو یہ سچ ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے دل کے ٹکڑوں کو بھوک اور پیاس کی شدت سے تڑپتے دیکھا اور پھر ایک ایک کر کے ان میں سے ہر وجود مقدس خاک وخون میں تڑپا اور جاں بحق تسلیم ہوا۔

اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ دشمنوں سے نہ تو پینے کیلئے پانی چھینا اور نہ زندہ رہنے کیلئے اپنی غذا حاصل کی۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ بالآخر سر سے لے کر پیر تک وہ زخموں سے چور ہوا اور اس خلعت شہادت لالہ گوں سے آراستہ ہو کر تیار ہوا تاکہ اس کرشمہ ساز عجائب کے حریم وصال میں پہنچے جو دوستوں کو خاک وخون میں تڑپاتا اور دشمنوں کو مہلت دیتا ہے، تاہم فتح اس کی تھی اور فیروز مندی وکامرانی کا تاج صرف اسی کے زخم خوردہ سروں پر رکھا جا چکا تھا، وہ تڑپا اور خاک وخون میں لوٹا، پر اپنے اس خون کے ایک ایک قطرہ سے جو عالم اضطراب میں اس کے زخموں سے ریگ وسنگ پر بہتا تھا، انقلاب وتغیرات کے وہ سیلاب ہائے آتشیں پیدا کر دیئے جن نہ تو مسلم بن عقبہ کی خون آشامی روک سکی نہ حجاج کی بے اماں وخونخواری اور نہ عبد الملک کی تدبیر وسیاست، وہ بڑھتے اور بھڑکتے ہی رہے۔ ظلم وجبر کا پانی تیل بن کر ان کے شعلوں کی پرورش کرتا رہا اور حکومت وتسلط کا غرور، ہوا منکران کی ایک ایک چنگاری کو آتش کدہ سوزاں بناتا رہا، یہاں تک کہ آخری وقت آ گیا اور جو 61 ہجری میں کربلا کے اندر ہوا تھا وہ سب کچھ 132 ہجری میں نہ صرف دمشق بلکہ تمام عالم اسلام کے اندر ہوا۔ صاحبان تاج وتخت خاک وخون ان کی لاشوں کے سموں سے پامال کی گئیں۔ فتح مندوں کی قبریں تک اکھاڑ ڈالیں اور مردوں کی ہڈیوں تک کو ذلت وحقارت سے محفوظ نہ چھوڑا، پھر کیا یہ سب کچھ جو ہوا وہ محض ابراہیم عباسی کی دعوت اور ابو مسلم خراسانی کی خفیہ ریشہ دوانیوں ہی کا نتیجہ تھا؟ کیا اس خون کا اعجاز نہ تھا جو فرات کے کنارے بہایا گیا تھا پھر یہ فتح مندی، بحسب ظاہر جس کے نتائج کیلئے ایک صدی کا انتظار کرنا پڑا، اور فی الحقیقت مظلومیت کا خون جس وقت بہتا ہے اسی وقت اپنی معنوی فتح مندی حاصل کر لیتا ہے۔

3) بہرحال یہ تو حق وصداقت کی قربانیوں کے نتائج ہیں جو کبھی ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے، لیکن حضرت سید الشہداءؓ کا یہ اسوۂ حسنہ بتلاتا ہے کہ تم ان نتائج کی ذرا بھی پروا نہ کرو اگر ظلم اور جابرانہ حکومت کا وجود ہے تو اس کیلئے حق کی قربانی ناگزیر ہے اور اسے ہونا ہی چاہئے، تعداد کی قلت وکثرت یا سامان ووسائل کا فقدان اس پر موثر نہیں ہوسکتا۔ اور ظلم کا صاحب شوکت وعظمت ہونا اس کیلئے کوئی الٰہی سند نہیں ہے کہ اس کی اطاعت کر ہی لی جائے۔ ظالم خواہ ضعیف ہو، خواہ قوی ہر حال میں اس کا مقابلہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ ظلم ہے اور حق وصداقت ہر حال میں یکساں اور غیر متزلزل ہے۔

4) حق وصداقت کی رفاقت کی آزمائش زہرہ گداز اور شکیب ربا ہیں۔ قدم قدم پر حفظ جان وناموس اور محبت فرزند وعیال کے کنٹے دامن کھینچتے ہیں لیکن یہ اسوۂ حسنہ مومنین مخلصین کو درس دیتا ہے کہ اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے اپنی طلب وہوس کو اچھی طرح آزما لیں۔ ایسا نہ ہو کہ چند قدم کے بعد ہی ٹھوکر لگے۔ خوف وہراس، بھوک اور پیاس، نقصان اموال ومتاع قتل نفس واولاد یہی چیزیں انسان کیلئے اس دنیا میں انتہائی مصیبتیں ہوسکتی ہیں، اس لئے انہی چیزوں کو راہ الٰہی کیلئے آزمائش قرار دیا گیا لیکن مظلوم کربلا کے سامنے یہ تمام مرحلے ایک ایک کر کے آئے [illegible] نجات [illegible] تمام راحت اور شوکت وعظمت حاصل کر سکتا تھا۔ اگر حکومت ظالم کی وفاداری واطاعت کا عہد کر لیتا [illegible] گردانی کیلئے مصلحت وقت کی تاویل پر عمل کرتا، پس اس نے خدا کی مرضی کیلئے نفس کی مرضی [illegible] غالب آ گیا۔ [illegible] ایک [illegible] صرف حق وصداقت [illegible]

5) سب سے بڑا اسوۂ حسنہ کہ اس حادثۂ عظیم [illegible] کی ترجمانی کرتا ہے، راہ مصائب وحوادث میں صبر واستقامت اور عزم وثبات ہے۔ [illegible] خصوصیت [illegible] تمام عزیز واقارب، اہل وعیال اور فرزند واحباب کے ساتھ دشت غربت ومصائب میں محصور اعداء ہو، اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے جگر گوشوں کو [illegible] فغاں کرتے ہوئے دیکھا، [illegible] لاش [illegible] بربریت [illegible] صبر واستقامت [illegible] ہونا اور [illegible] تحمل [illegible] ہے تو [illegible] خاک کربلا [illegible]

موبائل: 9831439068

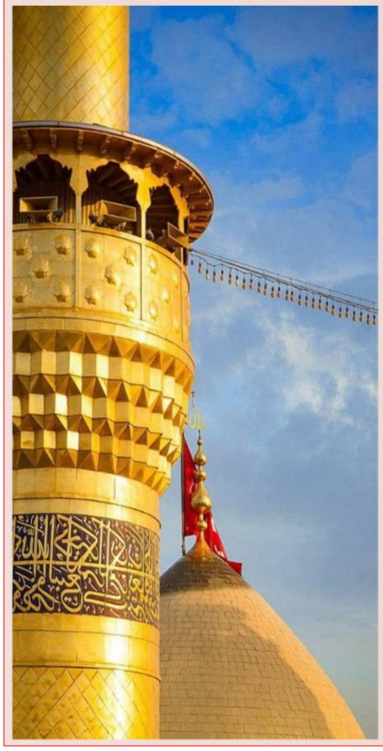

فضائل اہل بیت ومناقب!

مولانا محمد محفوظ قادری

اسلامی سال (سن ہجری) کا آغاز یکم محرم الحرام سے ہوتا ہے ہم 1445ھ مکمل کر کے 1446ھ میں داخل ہو چکے ہیں اس ماہ محرم الحرام میں بہت سے واقعات ایسے رونما ہوئے ہیں کہ جن کا تعلق تاریخ اسلام سے بہت ہی گہرا ہے۔ اُنہیں واقعات میں سے ایک واقعہ نواسہ رسول حضرت فاطمۃ الزہرا اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے لخت جگر حضرت امام حسین اور آپ کے 72 جانثار ساتھیوں کی شہادت کا ہے جو میدان کربلا 61ھ میں یزید پلید کی فوج کے مقابلہ میں پیش آیا اور یہ واقعہ تاریخ اسلام میں قیامت صغراء سے کم نہیں ہے رہتی دنیا تک انسانیت اس واقعہ پر آنسو بہا کر شرمسار ہوتی رہے گی۔ کیونکہ آپ کی یہ جنگ حق اور باطل کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین مبین کی بقاء کی خاطر تھی۔ اللہ رب العزت نے آپ کے ذریعہ اس دین مبین کو ایسی بقاء عطا فرمائی کہ آج تک نہ کوئی اس دین حق کو مٹا سکا ہے اور نہ ہی کوئی صبح قیامت تک اس دین کو مٹانے کی جرأت کرسکتا ہے کیونکہ اس دین حق کا حامی وناصر اللہ رب العزت خود ہے۔ حضرت فاطمہ، حضرت علی اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں شامل ہیں۔ ان کی فضیلت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ”اے نبی کے گھر والو! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر طرح کی ناپاکی دور فرمادے“ (سورۃ الاحزاب) اسی آیت کے تحت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ صبح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور آپ کے پاس کالے بالوں سے بنی ہوئی نقش دار چادر تھی اسی دوران حسن بن علی تشریف لائے تو آپ نے ان کو اپنی اس چادر میں داخل فرمالیا پھر حسین آئے تو ان کو بھی داخل فرمالیا پھر حضرت فاطمہ آئیں ان کو بھی داخل فرمالیا پھر حضرت علی تشریف لائے ان کو بھی داخل فرمالیا پھر حضور علیہ السلام نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی ”اللہ صرف یہی چاہتا ہے، اے اہل بیت! کہ وہ تم سے گناہ کی گندگی دور فرمادے اور تم کو مکمل طور پر پاک وصاف کردے“ (مسلم شریف) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام کو جمع فرما کر ان کو اپنی چادر میں لیا اور فرمایا کہ اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ (حاکم المستدرک) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آیت مباہلہ ”آپ فرمادیں آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ“ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام کو بلایا پھر فرمایا: یہ میرے اہل بیت ہیں۔ (مسلم شریف) اہل بیت سے محبت کے بارے میں قرآن میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوکر فرماتا ہے کہ ”تم فرماؤ میں اس پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، مگر قرابت داروں کی محبت“ (سورۃ الشوریٰ) یعنی اے حبیب مکرم آپ فرمادیں کہ اے لوگو! میں رسالت کی تبلیغ پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا (جس طرح مجھ سے پہلے کسی نبی نے دین کی تبلیغ پر اپنی قوم سے کوئی بدلہ طلب نہیں کیا) بس تم میرے قرابت داروں (یعنی میرے اہل بیت) سے محبت کرنا، اور اہل بیت سے میرے رشتہ کا لحاظ رکھتے ہوئے ایذا رسانی سے باز رہنا۔ جمیع بن عمیر بیان کرتے ہیں میں اپنی پھوپھی کے ساتھ حضرت عائشہ کے پاس گیا تو میں نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ کس سے محبت تھی۔۔؟ انہوں نے فرمایا: فاطمہ سے، پھر معلوم کیا مردوں میں۔۔؟ انہوں نے فرمایا ان کے شوہر علی سے (ترمذی شریف) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے محبت کا ذکر فرماتے ہوئے حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اس سے دشمنی رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھی۔ دوسری روایت میں فرمایا کہ جو چیز اسے قلق (بے چین) کرتی ہے وہی چیز مجھے قلق میں مبتلا کرتی ہے اور جو چیز فاطمہ کو ایذا پہنچاتی ہے وہی چیز مجھے بھی ایذا پہنچاتی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف) اپنے نواسہ حسنین کریمین کی نسبی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے لوگو! کیا میں تم کو ان کے بارے میں خبر نہ دوں جو اپنے نانا اور نانی کے اعتبار سے سب لوگوں میں بہتر ہیں۔۔؟ کیا میں تمہیں ان کے بارے میں نہ بتاؤں جو اپنے چچا اور پھوپھی کے لحاظ سے سب لوگوں سے بہتر ہیں۔۔؟ کیا میں تمہیں ان کے بارے میں نہ بتاؤں جو اپنے ماموں اور خالہ

کے اعتبار سے سب لوگوں سے بہتر ہیں۔۔؟ کیا میں تمہیں ان کے بارے میں خبر نہ دوں جو اپنی ماں اور باپ کے لحاظ سے سب لوگوں سے بہتر ہیں۔۔؟ وہ حسن اور حسین ہیں، ان کے نانا اللہ کے رسول، ان کی نانی خدیجہ بنت خویلد، ان کی والدہ فاطمہ بنت رسول اللہ، ان کے والد علی بن ابی طالب، ان کے ماموں قاسم بن رسول اللہ، ان کی خالہ رسول اللہ کی بیٹیاں زینب، رقیہ، اور کلثوم ہیں۔ ان کے نانا، والد، والدہ، چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ (سب) جنت میں ہوں گے اور وہ دونوں (حسنین کریمین) بھی جنت میں ہوں گے۔ (طبرانی المعجم الکبیر) حضرت امام حسن سے محبت کے تعلق سے حضرت براء بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حسن بن علی آپ کے کاندھے پر سوار تھے اور حضور فرمار ہے تھے اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما۔ (مشکوٰۃ شریف) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دن کے کسی حصہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوا یہاں تک کہ آپ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے اور آپ نے معلوم کیا ”کیا یہاں چھوٹا بچہ ہے کیا یہاں چھوٹا بچہ ہے یعنی حسن ہے۔۔؟“ کچھ ہی دیر میں حسن دوڑتے ہوئے آئے اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی کو گلے لگایا، پھر حضور نے ارشاد فرمایا ”اے اللہ! بیشک میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت رکھنے والوں سے محبت فرما۔ حضرت امام حسین سے محبت کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں: جو شخص حسین سے محبت کرتا ہے اللہ اس سے محبت کرے، اور حسین میری اولاد ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنین کریمین کے مقام ومرتبہ کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حسن وحسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں (حدیث) اسی طرح حضور علیہ السلام نے دنیوی مقام کو ظاہر کرتے ہوئے ارشاد فرما کہ حسن وحسین دینا میں میرے دو پھول ہیں (حدیث) حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو دیکھا حسن وحسین علیہما السلام رسول اللہ کے سامنے یا گود میں کھیل رہے تھے میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ ان سے محبت کرتے ہیں۔۔؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں ان سے محبت کیوں نہ کروں حالانکہ میرے گلشن دنیا کے یہی تو دو پھول ہیں جن کی مہک سونگھتا رہتا ہوں۔ (طبرانی المعجم الکبیر)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حسن سینے سے لیکر سر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھے جبکہ حسین نچلے حصہ سے مشابہت رکھتے تھے۔ (جامع ترمذی) سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ ایک روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ: میرے بیٹے کہاں ہیں۔۔؟ میں نے عرض کیا علی (رضی اللہ عنہ) ساتھ لے گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تلاش میں نکلے پانی پینے کی جگہ پر کھیلتے ہوئے پایا اور ان کے سامنے کچھ کھجوریں بچی ہوئی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے علی! خیال رکھنا میرے بیٹوں کو گرمی شروع ہونے سے واپس لے آنا۔ (حاکم المستدرک) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنین کریمین کی محبت کو اپنی محبت کا ذریعہ بھی قرار دیا اور فرمایا جس نے مجھ سے محبت کی، اس پر لازم ہے کہ وہ ان دونوں (نواسوں) سے بھی محبت کرے۔ (نسائی شریف) دوسری روایت میں آتا ہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے حسن اور حسین سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی، اور جس نے اللہ سے محبت کی اس نے اسے جنت میں داخل کردیا۔ (حاکم المستدرک) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے حسن اور حسین سے بغض رکھا اس نے مجھ ہی سے بغض رکھا۔ (ابن ماجہ شریف) اہل بیت سے جنگ کو اپنی جنگ قرار دیتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین سلام اللہ علیہم سے فرمایا کہ جس سے تم لڑوگے اس سے میری بھی لڑائی ہوگی، اور جس سے تم صلح کروگے اس سے میری بھی صلح ہوگی۔ (جامع ترمذی) اہل بیت سے محبت اور ان کی راہ پر چلنا دنیا وآخرت میں نجات کا ذریعہ بھی ہے حضرت زید بن ارقم بیان کرتے ہیں ایک روز مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی کی جگہ خم نامی مقام پر پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا سب سے پہلے آپ نے اللہ کی حمد وثناء بیان کی وعظ ونصیحت کی، پھر فرمایا اے لوگو! میں بھی انسان ہوں قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد آئے اور میں اس کی بات قبول کرلوں! میں تمہارے درمیان دو عظیم چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، ان میں سے پہلی چیز اللہ کی کتاب ہے اس میں ہدایت اور نور ہے تم اللہ کی کتاب کو لازمی پکڑے رہنا۔ پھر فرمایا دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں، میں اپنے اہل بیت کے متعلق تمہیں اللہ سے ڈراتا ہوں۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ اللہ کی کتاب، وہ اللہ کی رسی ہے، جس نے اس کی اتباع (کتاب) کی وہ ہدایت پر ہے، اور جس نے اسے چھوڑ دیا وہ گمراہی پر رہے گا۔ (مسلم شریف) اللہ رب العزت قرآن کو سمجھ کر پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما کر، پیارے آقا اور آپ کے ”اہل بیت“ کی صحیح معنیٰ میں اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

9759824259

غیر مسلموں پر شہادت حضرت علی اصغرؑ کے اثرات

مولانا سید محمد جابر جوراسی

واقعہ کربلا میں تین روز کے پیاسے ششماہے حضرت علی اصغرؑ کی المناک شہادت ایک ایسا دلدوز واقعہ ہے جس نے اپنے کیا غیروں تک کو بھی بہت رُلایا ہے۔ ایک حکایت نقل ہوتی آئی ہے کہ آذربائیجان جو کبھی ایران کا حصہ تھا پھر روس کا حصہ بنا اور اب آزاد مملکت ہے وہاں ہر سال واقعہ کربلا میں سے کسی واقعہ کی تمثیل پیش کی جاتی تھی ایک سال طے ہوا کہ شہادت حضرت علی اصغرؑ کا منظر پیش کیا جائے۔ اس سلسلے کے جتنے کردار تھے مہیا ہوگئے لیکن کوئی مسلمان حرملہ کی شبیہ بننے پر تیار نہ ہوا۔ مجبوراً ایک آتش پرست کو تلاش کر کے لایا گیا جو نہ خاتم الانبیاء ﷺ کو جانتا تھا نہ امام حسینؑ سے واقف تھا اور نہ ہی واقعہ کربلا کا اُسے کوئی علم تھا۔ اسے تیر وکمان دے کر اُس سے یہ کہا گیا کہ حسینؑ نام کی ایک شخصیت ایک بچے پر ردا کا سایہ کئے ہوئے تمہارے سامنے آئے گی اور کہے گی کہ اے فوجِ اشقیا اس بچے کی ماں کا دودھ تشنہ لبی کی وجہ سے خشک ہوگیا ہے یہ بہت زیادہ پیاسا ہے جاں بلب ہے اُسے پانی پلادو جواب میں تم صرف یہ کہہ دینا حسینؑ میں تمہارے اس بچے کو پانی نہیں پلاؤں گا۔ جیسا بیان کیا گیا تھا ویسا ہی ہوا لیکن جیسے ہی اُس نے اُس شخصیت کی زبان سے بچے کی شدت عطش کا تذکرہ سنا اور اس سے پانی کا مطالبہ ہوا تو تڑپ اٹھا، تیر ایک طرف پھینکا کمان دوسری طرف پھینکی اور یہ کہہ کر آگے بڑھا مجھ سے کہا تو یہ گیا تھا کہ تم پانی دینے سے انکار کردینا لیکن میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا اور تمہارے اس پیاسے بچے کو پانی ضرور پلاؤں گا۔ یہ ہے غیر مسلم تک پر مظلومیتِ حضرت علی اصغرؑ کا اثر۔

نہ جانے کتنے واقعات ہیں کہ جن میں مصائب حضرت علی اصغرؑ پر اغیار تک بلک بلک کر روئے ہیں۔ میرے وطن جوراس ضلع بارہ بنکی یوپی انڈیا میں ایک عزادار ہندو مذہبی رہنما پنڈت شیو چرن ترپاٹھی تھے جو اب زندہ نہیں رہ گئے ہیں وہ مجلس میں موجود تھے میں حضرت علی اصغرؑ کے مصائب پڑھ رہا تھا اور میں نے دیکھا کہ وہ بے چین ہوکر رو رہے ہیں اور اپنے سفید انگوچھے سے اپنے آنسو مسلسل پونچھ رہے ہیں۔ کاغذی پورہ مدھیہ پردیش اندور کے اثنا عشری امام باڑہ میں کئی سال میں نے عشرہ محرم کی مجلسوں کو پڑھا ہے۔ پہلے سال جب یوم عاشورہ جلوس امام باڑہ سے شاہراہ پر آیا تو اس میں گہوارۂ حضرت علی اصغرؑ کی شبیہ بھی تھی میں نے دیکھا کہ مدھیہ پردیش کی ہندو خواتین ساڑیوں میں لپٹی ہوئی چھوٹی چھوٹی کٹوریوں میں دودھ لئے گہوارۂ حضرت علی اصغرؑ کے پاس آئیں اور گہوارہ کے نیچے اس دودھ کو نذر کیا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ ہندو عورتیں یہ کیا کررہی ہیں اور اس کا مقصد کیا ہے بتایا گیا اس عمل سے یہ ہندو عورتیں اپنے اس جذبے کا اظہار کرتی ہیں کہ اے رباب کے پیاسے شیر خوار بچے اگر تم ہندوستان آجاتے تو پانی کیا ہم اس دودھ کے ذریعہ تمہاری پیاس بجھاتے۔

مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کے ایک بہت ہی فعال واعظ تھے مولانا مسرور حسین صاحب قبلہ امروہوی طاب ثراہ انہوں نے فرانس میں بہت تبلیغی خدمات انجام دیئے ہیں ان خدمات کے دوران جبکہ دوسری جنگ عظیم کی تباہ کاریاں پوری دنیا کو دہلا رہی تھیں کم سن بچے بھی جنگ کے شعلوں کی نذر ہو رہے تھے ضرورت تھی کسی مظلوم کم سن بچے ہی کے نام سے امن کی اپیل کی جائے مولانا موصوف نے فرانسیسی شاعر الیگزنڈر گینل کو حضرت علی اصغرؑ کی مظلومیت سے آگاہ کیا تو وہ بے چین ہوگیا اور اس نے فرانسیسی زبان میں ایک بہت ہی موثر طویل نظم کے ذریعہ امن کی اپیل کی۔ اس نظم کا اُردو ترجمہ ”معصوموں کا ستارہ“ کے عنوان سے مولانا مسرور حسین رضوی صاحب قبلہ مرحوم نے کیا۔ یہ نظم متعدد مرتبہ شائع ہوچکی ہے ماضی قریب میں یہ نظم ان کی بیٹی ذاکرۂ اہل بیت محترمہ نفیسہ رضوی ٹورنٹو (کینڈا) نے کتابی شکل میں شائع کی ہے۔ اب جبکہ اسرائیلی درندگی کی وجہ سے ہزاروں فلسطینی بچے موت کی آغوش میں جارہے ہیں اور تیسری عالمی جنگ دنیا کے دروازے پر دستک دے رہی ہے ضرورت ہے کہ مظلومیتِ حضرت علی اصغرؑ کو ذریعہ بنا کر ظالموں کو ان کے ظلم وستم سے روکا جائے۔ بحمد اللہ اسلامی جمہوریہ ایران نے عشرۂ محرم کے پہلے جمعہ کو جو عالمی یوم علی اصغرؑ منانے کی اپیل کی تھی اس کے اثرات پوری دنیا میں دیکھے جارہے ہیں یہ مظلومیتِ حضرت علیؑ اصغر ہی دورِ حاضر کے حرملہ صفتوں کے ہاتھوں میں موجود مہلک اسلحوں کو بے اثر بنا سکتی ہے۔

یاد رہے کربلا کی مظلومیت کی دو حقیقتیں بہت اہم ہیں جنہیں فراموش نہیں کرنا چاہئے ایک سہ روزہ تشنہ لبی اور دوسرے شہادت حضرت علی اصغرؑ۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے ذیل کے اشعار میں اپنے عزاداروں سے مطالبہ کیا ہے کہ نہ تو کربلا کی سہ روزہ تشنگی کو بھولنا اور نہ ششماہے علی اصغرؑ کی دلدوز شہادت کو فراموش کرنا۔

وہ اشعار یہ ہیں: (ترجمہ)

میرے شیعو! جب بھی ٹھنڈا پانی پیو میری پیاس کو یاد رکھو، یا جب کسی غریب الدیار کا تذکرہ سنو تو میرے اوپر باآواز بلند گریہ کرو۔ کاش تم عاشورہ کے دن موجود ہوتے تو دیکھتے میں اپنے کمسن فرزند کے لئے کس طرح پانی طلب کررہا تھا اور اس کا انکار کردیا گیا۔ (خصائص الحسینیہ آیت اللہ شیخ جعفر شوستری صفحہ ۹۹، مصباح کفعمی ۷۴۱ صفحہ)

زیارت امام حسینؑ کے مخصوص آداب اور اہم معلومات

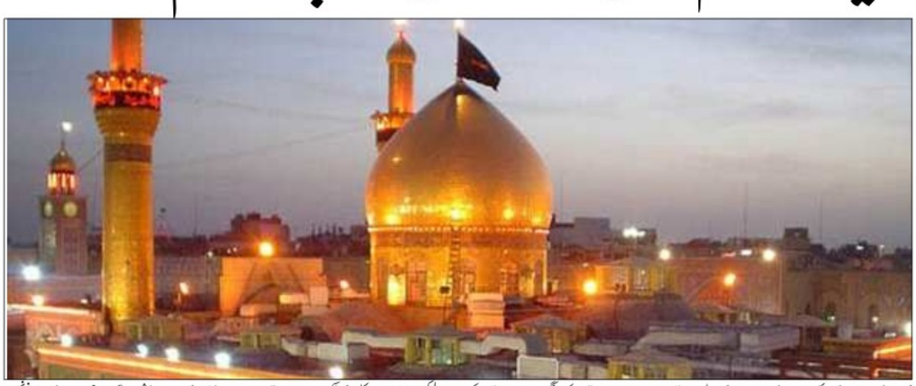

1۔ "زیارت امام حسین علیہ السلام کے سفر میں مستحب ھے کہ تواضع، انکساری، خضوع وخشوع اور ذلیل غلام کی طرح راستہ کو طے کرے"

2۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ھیں: "لازم ھے کہ اچھی مصاحبت اختیار کرو، اپنے سفر کے ساتھی کے ساتھ، کم باتیں کرو، اور کپڑے پاکیزہ پہنو، زیادہ نماز پڑھو اور محمد وآل محمد پر کثرت سے صلوات بھیجو، اور اپنے کو نا مناسب باتوں سے محفوظ رکھو، اپنی نگاہ کو حرام وشبہ سے بچاؤ، اور پریشان مومن بھائیوں کے ساتھ احسان کرو"

3۔ ابوحمزہ ثمالی سے منقول ھے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا "جب کربلا میں وارد ھوجاؤ تو اپنے بدن پر تیل نہ ملو، سرمہ نہ لگاؤ، اور گوشت نہ کھاؤ جب تک وھاں رھو"

4۔ آب فرات سے غسل کرنا، کہ اس کی فضیلت میں روایات بہت ھیں، ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ھے کہ "جو شخص آب فرات سے غسل کرے اور قبر امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرے تو وہ گناھوں سے اس طرح پاک ھوجاتا ھے جیسے اسی روز شکم مادر سے پیدا ھوا ھو، چاھے گناھان کبیرہ اس کے ذمہ ھوں"

5۔ جب روضہ مقدس میں داخل ھونا چاھے تو مشرق کی جانب جو دروازہ ھے اس سے داخل ھو جیسا کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ھے

6۔ نماز فریضہ ونافلہ کو قبر امام حسین علیہ السلام کے قریب بجالائے کیونکہ نماز اس جگہ مقبول ھوتی ھے، اور یہ بھی روایت ھے کہ واجب نماز آنحضرت کی قبر کے پاس پڑھنا حج کے برابر ھے اور نافلہ عمرہ کے برابر ھے

7۔ بہترین اعمال روضہ امام حسین علیہ السلام میں دعا ھے کیونکہ زیر قبہ دعا کا قبول ھونا ان چیزوں میں سے ایک ھے جسے شھادت کے بدلہ میں خدا نے انھیں عطا کیا ھے۔

لہٰذا زائر کو چاہئے کہ اس کو غنیمت سمجھتے ھوئے تضرع، توبہ اور حاجتوں کے پیش کرنے میں کوتاھی نہ کرے، خصوصاً ان مومنین کے لئے دعا کرے جو اس متبرک مقام تک نھیں پہنچ سکتے، اور اپنی دعاؤں میں خاص طور پر اپنے اور جملہ مومنین کے لئے دعائے مغفرت کو فراموش نہ کریں

بوقت سحر زیارت امام حسین علیہ السلام کی فضیلت

ابن شھر آشوب روایت کرتے ھیں: ایک دن جبرئیل علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ کی خدمت میں دحیہ کلبی کی شکل میں آئے اور آپ کے پاس بیٹھے تھے کہ اچانک حسنین علیہ السلام تشریف لائے اور چونکہ جبرئیل علیہ السلام کے متعلق یہ گمان تھا کے دحیہ ھے تو اس کے پاس آئے اور ھدیہ طلب کرنے لگے، جبرئیل نے آسمان کی طرف ھاتھ بلند کیا اور ایک سیب، ایک بھی دانہ اور ایک انار ان کے لئے اتارا اور انھیں دے دیا، جب آپ نے یہ میوے دیکھے تو خوش ھوئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ کے پاس لے گئے، حضرت نے ان سے لے کر انھیں سونگھا اور شہزادوں کو واپس کردیا اور فرمایا اپنے باپ اور ماں کے پاس لے جاؤ اور اگر پہلے اپنے باپ کے پاس لے جاؤ تو بہتر ھے، پس جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ نے فرمایا تھا، اس پر عمل کیا اور اپنے پدر کے پاس گئے یھاں تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ بھی ان کے پاس گئے اور پھر پنجتن پاک نے مل کر وہ میوے تناول فرمائے، جتنا کھاتے تھے وہ دوبارہ اپنی پہلی حالت کی طرف پلٹ جاتے تھے، اور کوئی چیز ان میں سے کم نہ ھوتی تھی یھاں تک کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ کی وفات ھوئی پھر بھی وہ میوے اپنی حالت پر قائم رھے اور ان میں کوئی تغیر نہ آیا، جب جناب فاطمہ زھرا سلام اللہ علیھا کی وفات ھوئی تو انار غائب ھوگیا اور جب امیر المومنین علیہ السلام کی شھادت ھوئی تو بھی گم ھوا، لیکن وہ سیب جو امام حسن علیہ السلام کے پاس تھا وہ آپ کے بعد امام حسین علیہ السلام کے پاس رھا، چنانچہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ھیں: جب میرے والد گرامی صحرائے کربلا میں نرغۂ عداء میں گھر گئے تو وہ سیب آپ کے ھاتھ میں تھا، اور جب آپ پر پیاس کا غلبہ ھوتا تو اس کو سونگھتے اور اس سے آپ کی پیاس میں کچھ تخفیف ھوجاتی، جب آپ پر پیاس کا زیادہ غلبہ ھوا تو آپ نے اس سیب کو دانتوں سے کاٹا، جب آپ شھید ھوگئے تو جتنا اس سیب کو تلاش کیا گیا وہ نہ مل سکا، پھر آپ نے فرمایا: "مجھے اپنے باپ کے مرقد مطھر سے اس سیب کی خوشبو آتی ھے، جب میں ان کی زیارت کو جاتا ھوں اور جو شخص ھمارے مخلص شیعوں میں سے سحر کے وقت اس مرقد مطھر کی زیارت کو جائے تو اسے ضریح منور سے اس سیب کی خوشبو آئے گی"

حرم سرکار سیدالشہداء علیہ السلام

شیخ طوسی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "امالی" کی روایات سے استفادہ ھوتا ھے کہ بنی امیہ کے دور حکومت میں امام حسین علیہ السلام کی قبر مطھر پر جو آثار موجود تھے، وہ حضرت مختار اور ان کے چاھنے والوں کے ذریعہ بنائے گئے تھے، اور اسی طرح امام حسین علیہ السلام کے زیارت کے باب میں کچھ روایات ھیں جن سے معلوم ھوتا ھے کہ حکومت بنی امیہ کے آخری ایام میں امام حسین علیہ السلام کے روضہ میں کچھ کمرے اور ایک مسجد تھی اور عباسی خلفاء کے دور حکومت مخصوصاً (عباسی خلیفہ) سفاح کے زمانے میں روضہ کی حالت کچھ بہتر ھوگئی تھی، جس میں کچھ عماراتی کام بھی انجام پایا، لیکن عباسی خلیفہ متوکل کے حکم سے ۲۳۶ھ ق میں اس روضہ کو مسمار بھی کیا گیا، جس میں سیدالشھداء حضرت اباعبداللہ علیہ السلام کی قبر اور اس کے اطراف کی عمارتوں کو ویران کیا گیا تاکہ اس زمین میں کھیتی کی جائے، اور اس کے اردگرد کچھ سپاھیوں کو معین کیا گیا جو آنحضرت کی زیارت سے لوگوں کو روک سکیں، اور جب امام حسین علیہ السلام کی قبر کی بربادی کا موقع آیا تو کوئی مسلمان اس پر راضی نھیں ھوا کہ امام حسین علیہ السلام کی قبر کو خراب کرے، اسلئے اس نے یہ کام دیزج نامی شخص (جو یھودی تھا) کے ذریعہ انجام دیا، متوکل نے یہ اعلان بھی کروادیا کہ امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرنا منع ھے اور اگر کوئی ان کی زیارت کو آئے گا تو اس کو سخت سے سخت سزا دی جائے گی

"تاریخ قمقام" میں "امالی شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ" کے حوالے سے نقل ھوا ھے کہ متوکل عباسی نے اپنے دور حکومت میں ۱۷ مرتبہ قبر امام حسین علیہ السلام کو مسمار کرنے کی کوشش کی، یھاں تک کہ اس کے چاروں طرف پانی بھروادیا، تاکہ قبر کا کوئی نشان باقی نہ رہ جائے اور یہ بھی بتایا جاتا ھے کہ جب متوکل نے امام حسین علیہ السلام کی قبر کو برباد کیا، زمین پر ہل چلوادیا اور قبر کے اطراف کو پانی سے بند کردیا، مگر پانی قبر تک نھیں پھنچا بلکہ قبر کے اردگرد چکر کاٹنے لگا جو معجزہ کے نام سے مشھور ھوگیا اور جس مقدار تک پانی نھیں پھنچا اور اس کے چاروں طرف پانی طواف کررھا تھا، اسی کو حائر حسینی حساب کیا گیا کہ جس حصہ میں مسافر کو اختیار ھے کہ نماز قصر پڑھے یا پوری۔

متوکل عباسی ۲۴۷ھ ق میں اپنے بیٹے منتصر (جس کا سلوک شیعوں کے ساتھ قدرے بہتر تھا) کے ھاتھوں واصل جہنم ھوا، پھر ۲۷۳ھ ق میں ایک عمارت تیار ھوئی جس میں رواق (کمرے) بھی تھے اور (عضدالدولہ دیلمی) کے ذریعہ قبر مطھر پر ضریح بھی نصب کی گئی، ۹۱۴ھ ق میں جب شاہ اسماعیل صفوی نے بغداد کو فتح کیا اور کربلا کی زیارت کو گیا تو امام حسین علیہ السلام کی ضریح میں طلاکاری (سونے کا کام) کروایا، ایران کے قاچاریہ بادشاھوں کے دور حکومت میں امام علیہ السلام کے گنبد کی طلاکاری کا کام تین دفعہ انجام پایا، جو بعد میں سرزمین کربلا پر سعد ابن عبدالعزیز کے وحشیانہ حملے کے ذریعہ ۱۲۱۶ھ ق میں عید غدیر کے دن لوٹ لیا گیا، عبدالعزیز نے کربلا کے دس ہزار رہنے والے لوگوں پر حملہ کیا جن میں سے چھ ہزار لوگوں کو قتل کیا اور حرم کے قیمتی خزانے کو لوٹ لے گیا، آخر میں، ۱۲۳۲ھ ق شیخ جعفر کاشف الغطاء رحمۃ اللہ علیہ کی مدد سے فتح علی شاہ قاچار کے ھاتھوں اور اس کے بعد بھی تعمیری کام انجام پایا، آج کی موجودہ ساخت صفوی، عثمانی اور قاچاری حکومتوں کی ھی بنائی ھوئی ھے، طلائی گنبد صفوی دور حکومت کی، اور اسکی طلاکاری کا کام آقا محمد خان قاچار کے حکم سے انجام دیا گیا18

آستان مقدس امام حسین علیہ السلام میں چند دروازہ ھیں جن، کے نام اس طرح ھیں، باب قبلہ، باب بین الحرمین، باب سدر، باب سلطانی، باب قاضی الحاجات، باب زینبیہ

حرم سرکار سید الشھداء علیہ السلام میں خود آنحضرت علیہ السلام کی قبر مطھر ھے اور آپ کی قبر کے ساتھ ساتھ جناب علی اکبرں وجناب علی اصغرں کی قبریں ھیں، اسی حرم میں جناب حبیب بن مظاھر کی قبر مولا حسین علیہ السلام کی ضریح اقدس سے چند قدم کے فاصلہ پر ھے اور کچھ فاصلہ پر قتل گاہ ھے، یھیں امام حسین علیہ السلام کو شمر ملعون نے شھید کیا تھا، اور آپ کا سر تن سے جدا کیا تھا، امام حسینں کے مرقد کے کنارے گنج شھیداں واقع ھے، کربلا کے بہتر شھیدوں میں کل بنی ھاشم کی ۱۷ اولادیں یھیں دفن ھیں جن کی تفصیل اسطرح ھے

اولاد امیر المومنین علیہ السلام: جناب امام حسین علیہ السلام، جناب عباس علیہ السلام، جناب عبدُاللہ، جناب جعفر، جناب عثمان، جناب محمد، جناب ابوبکر

اولاد امام حسن علیہ السلام: جناب قاسم علیہ السلام، جناب عبدُاللہ، جناب ابوبکر

اولاد امام حسین علیہ السلام: جناب علی اکبر، علیہ السلام جناب علی اصغر علیہ السلام

اولاد عبدُاللہ بن جعفر بن ابیطالب علیہ السلام: جناب عون علیہ السلام جناب محمد علیہ السلام

اولاد عقیل بن ابیطالب: جناب جعفر، جناب عبدُالرحمٰن

اولاد مسلم بن عقیل علیہ السلام: جناب عبدُاللہ علیہ السلام، جناب محمد علیہ السلام اور جناب ابراھیم علیہ السلام

مرقد ابراھیم مجاب

حرم امام حسین ں سے متصل شمال مغرب میں انکا مزار اقدس واقع ھے، آپ امام موسی کاظم علیہ السلام کے فرزند اور امام علی رضا علیہ السلام کے بھائی تھے، پہلی مرتبہ آپ نے ۲۴۷ھ ق میں کربلا کو اپنا وطن قرار دیا، آپ کو مجاب اس لئے کہتے ھیں کہ جب آپ کربلا تشریف لائے اور قبر امام حسینں وسلام کیا، تو امام حسین ں نے انکے سلام کا جواب دیا، اس وقت سے آپ مجاب کے لقب سے یاد کئے جاتے ھیں۔

بشکریہ دفتر استاد حسین انصاریان

عزاداری سے متعلق چالیس احادیث

★ **حسینی کی آگ:**

بے شک حسین کے قتل کی وجہ سے مومنوں کے دلوں میں "غم" کی ایک چنگاری سلگتی رہتی ہے جو کبھی بھی ٹھنڈی نہ ہوگی۔" (جامع الاحادیث الشیعہ: ج١٢/ص٥٥٦)

★ **عاشوراغم کادن:**

امام رضاؑ نے فرمایا: جس کے لئے روز عاشورا مصیبت، غم واندوہ اور رونے پیٹنے کا دن ہو تو للہ تعالی قیامت کے دن کو اس کی خوشحالی اور کامیابی وکامرانی کا دن قرار دے گا۔ (بحار الانوار: ج٤٤/ص٢٨٤)

★ **محرم، سوگواری کا مهینه هے:**

امام رضاؑ نے فرمایا: جب محرم کا مہینہ شروع ہوجاتا تھا تو میرے بابا کو کوئی بھی ہنستا ہوا نہ پاتا تھا۔ پریشانی اور غم واندوہ کی کیفیت آپؑ کے اوپر چھائی رہتی تھی۔ اور جب دس دن گزر جاتے تھے تو پھر دسویں کا دن آپؑ کے لئے مصیبت اور غم وحزن کا دن اور رونے پیٹنے کا دن ہوتا تھا۔ (امالی صدوق: ص١١١)

★ **خوشحال آنکھیں:**

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: اے فاطمہ! قیامت کے دن ہر آنکھ اشکبار ہوگی سوائے اس آنکھ کے جس نے حسین کی مصیبت پر گریہ کیا ہو وہ آنکھ خوشحال ہوگی۔ (بحارالانوار: ج٤٤/ص٢٩٣)

★ **حضرت امام حسینؑ کا سوگ:**

امام صادقؑ نے فرمایا: ایک پورا سال، دن رات، حسینؑ ابن علیؑ پر رویا گیا اور آپؑ کی شہادت کے دن سے تیس سال تک مسلسل آپؑ سوگواری کی گئی۔ (بحارالانوار: ج٤٦/ص٢٢٠)

★ **عزادری کے اخراجات:**

امام صادقؑ نے فرمایا: میرے والد نے مجھ سے فرمایا: اے جعفر! میرے مال میں سے اتنی مقدار رقم مخصوص کردو اور اتنی مقدار رونے اور اور نوحہ کرنے والی خواتین کے لئے مقرر کردو کہ وہ منی میں میری مصیبت پر دس سال تک ماتم کریں۔ (بحارالانوار: ج٤٦/ص٢٢٠)

★ **روایتی نوحہ خوانی:**

بو ہارون مکفوف کہتا ہے: میں امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؑ نے مجھ سے فرمایا: شعر کہو! میں شعر پڑھا۔ فرمایا: اس طرح نہ پڑھو بلکہ جس طرح امام حسینؑ کی قبر پر پہنچ کر مرثیہ خوانی کرتے ہو اور جو انداز آپ کا وہاں ہوتا ہے اسی طریقے سے میرے پاس بھی مرثیہ پڑھو۔ (بحارالانوار: ج٤٤/ص٢٨٧)

★ **حضرت امام حسین کی خاطر شعر کهنے کی فضیلت:**

اگر کوئی شخص حسینؑ کے بارے میں ایک شعر پڑھے اور خود بھی روئے اور اس کے ذریعے دوسروں کو بھی رلائے تو اللہ تعالی ضرور اس کی پاداش میں اسے جنت دے گا اور اس کے لئے بخشش ومغفرت عطا کرے گا۔ (رجال شیخ طوسی: ص٢٨٩)

★ **اهل بیت کی شان میں شعر پڑهنا:**

امام صادقؑ کا فرمان ہے: جس کسی نے ہماری شان میں ایک بیت پڑھا تو اللہ تعالی جنت میں اس کے لئے گھر بنادے گا۔ (وسائل الشیعہ: ج١٠/ص٢٦٧)

★ **شان اهل بیت بیان کرنے اوران کا مرثیه پڑهنے والے:**

امام صادقؑ کا فرمان ہے: تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لئے ہیں کہ جس نے لوگوں میں سے ایسے افراد قرار دیئے ہیں جو ہمارے پاس آتے ہیں اور ہماری مدح بیان کرتے ہیں اور ہمارے اوپر مرثیہ پڑھتے ہیں۔ (وسائل الشیعہ: ج١٠/ص٤٦٩)

★ **ایام عزامیں شعر پڑهنا:**

۔اے دعبل! مجھے یہ بات اچھی لگتی ہے کہ تم ہمارے مصائب میں کوئی شعر پڑھو کیونکہ یہ ایام ہمارے لئے غم اندوہ کے ایام ہیں ہم اہل بیتؑ پر ان دنوں مصائب آئے۔ (جامع الاحادیث الشیعہ: ج١٢/ص٥٦٧)

★ **مر ثیه پڑهنا اهل بیت کی نصرت هے:**

اے دعبل! حسینؑ کا مرثیہ پڑھو کیونکہ تم ہمارے ناصر ومددگار ہو جب تک تم زندہ ہو (اشعار کے ذریعے) ہماری مدد کرتے رہنا اے دعبل! تم اپنے اشعار کے ذریعے ہماری نصرت کرنے میں کوتاہی نہ کرنا اور جس قدر ہو سکے ہماری شان بیان کرنا۔ (جامع الاحادیث الشیعہ: ج١٢/ص٥٦٧)

★ **شیعه الله کا انتخاب:**

حضرت امام علیؑ کا فرمان ہے: بے شک اللہ تعالی نے ہمارے لئے شیعوں کا انتخاب کیا ہے جو ہماری مدد کرتے ہیں ہماری خوشی میں خوش ہوتے ہیں اور ہمارے غم میں غمزدہ ہوتے ہیں۔ (غرر الحکم: ج١/ص٢٣٥)

★ **شهید اشک:**

امام حسینؑ نے فرمایا: میں تو کشتۂ اشک ہوں کوئی بھی مؤمن مجھے یاد نہ کرے گا مگر یہ کہ وہ مجھے یاد کرتے ہی روئے گا۔ (بحارالانوار: ج٤٤/ص٢٧٩)

★ **آنسو کا ایک قطره:**

جس کی آنکھ سے ہماری خاطر ایک آنسو نکل پڑے اللہ تعالی اسے جنت میں ڈال دے گا۔ (احقاق الحق: ج٥/ص٥٢٣)

★ **عزادری کی جزا:**

امام سجادؑ نے فرمایا: جس مومن کی آنکھیں حسینؑ اور آپؑ کے ہمراہیوں کے قتل پر اس قدر روئیں کہ آنسو اس کے رخساروں پر بہنے لگیں تو اللہ تعالی اسے جنت کی عالی شان رہائشوں میں ٹھہرائے گا۔ (ینابیع المودہ ص٤٢٩)

★ **اولاد جناب سیده فاطمه الزهرا کی یاد:**

مام سجادؑ نے فرمایا: میں جناب سیدہ زہراءؑ کی اولاد کے قتل ہوجانے کی کیفیت کو جب بھی یاد کرتا ہوں تو اس مصیبت پر میری آواز رندھ جاتی ہے آنسو بے ساختہ چھلک پڑتے ہیں۔ (بحارالانوار ج٤٢ ص١٠٩)

امام باقرؑ نے فرمایا: مومن پر یہ بات لازم ہے کہ وہ حسینؑ پر گریہ کرے، روئے اور جو کوئی اس کے گھر میں موجود ہے اسے بھی یہ حکم دے کہ وہ بھی اپنے گھر میں حسینؑ پر گریہ و زاری کرنے کے لیے اہتمام کرے اور گھروں میں مومنین جب ایک دوسرے سے ملاقات کریں تو روتے ہوئے ایک دوسرے سے ملیں ایک دوسرے کو حسینؑ کی مصیبت پر تعزیت پیش کریں۔ (کامل الزیارات: ص١٧٥)

☆☆☆☆☆

کم سن اسیر امام محمد باقر علیہ السلام

مولانا سید محمد غافر باقری جوراسی

سابق استاد مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام بتاریخ یکم رجب ۵۷ھ ہجری مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ (اعلام الوریٰ ۱۵۵، جلاؤ العیون، ص ۲۶۰، جنات الخلود ص ۲۵ وغیرہ) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ جب امام محمد باقرؑ صلب پدر سے بطن مادر میں تشریف لائے تو آپ کے گھر میں آواز غیب آنے لگی اور قریب ولادت بکثرت فرشتوں کی آوازیں آنے لگیں اور شب ولادت ایک نور ساطع ہوا اور بعد ولادت قبلہ رو سجدہ ریز ہوئے اور آپ کو تین چھینکیں آئیں۔ آپ کی زبان طلاقت لسان پر حمد الٰہی کے کلمات جاری ہوئے۔ ایک شبانہ روز دست مبارک سے نور ساطع ہوتا رہا۔ آپ ختنہ شدہ، ناف بریدہ اور ساری آلائشوں سے مبرّہ پیدا ہوئے۔

آپ کے والد بزرگوار امام حسینؑ کے فرزند اکبر، امام علی زین العابدینؑ اور والدہ گرامی قدر جناب فاطمہ ام عبد اللہ بنت امام حسنؑ ہیں۔ امام پنجم کے ایک بھائی عبد اللہ تھے۔ جو دوسری ماں سے تھے لیکن ممکن ہے جناب فاطمہ نے عبد اللہ کی پرورش میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہو۔ اسی وجہ سے جناب فاطمہ کی کنیت ام عبد اللہ مشہور ہوئی ہو اور امام حسینؑ کے سب سے بڑے بیٹے چوتھے امام زین العابدینؑ ہیں۔ لیکن کربلا میں امام حسینؑ کی اولاد میں پہلے شہید جناب علی اکبرؑ ہیں اسی لیے وہ علی اکبر مشہور ہوئے اور ششماہے مجاہد علی اصغر مشہور ہوئے۔

امام پنجمؑ اور ان کی والدہ دونوں کربلا میں موجود تھے۔ امام پنجمؑ کا ارشاد ہے میرے جد (یعنی دادا) امام حسینؑ کا (مع اصحاب وانصار) شہید ہونا مجھے بخوبی یاد ہے۔ میں اس وقت تقریباً چار سال کا تھا۔ (تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۳۲۰)

حضرت امام محمد باقرؑ (۶۱ ہجری کے محرم کے عشرۂ اولیٰ میں اپنے والد امام علی زین العابدینؑ اور والدہ فاطمہ ام عبد اللہ کے ہمراہ) کربلا میں موجود تھے۔ اور اس وقت وہ تقریباً چار سال کے تھے۔ (منتہی الآمال از محدث قمی جلد ۲، ص ۸۶)۔ ام عبد اللہ فاطمہ بنت امام حسن مجتبیٰ کربلا میں دیگر مخدرات عصمت کے ساتھ اسیر کی گئیں۔ کتاب ریاحین الشریعۃ ۱۵، اعلام النساء المومنات، ص ۴۹، معالی السبطین جلد ۲ ص ۲۳۶۔ ترجمہ الامام الحسینؑ ومقتلہ ص ۸۷، تاریخ مدینہ و دمشق جلد ۷۰، ص ۲۶۲۔ امام صادقؑ کا ارشاد ہے۔ ام عبد اللہ فاطمہ بنت الحسنؑ کانت صدیقۃ لم تدرک فی آل الحسنؑ امرأۃ مثلھا۔ امام حسنؑ کی بیٹی فاطمہ کے مثل آل حسنؑ میں کوئی عورت نہیں ملتی۔ (اصول کافی جلد ایک ۴۶۹، تحقیق علی اکبر غفاری، بحار الانوار جلد ۴۶، ص ۲۱۵۔)

امام حسنؑ کی دختر نیک اختر جناب فاطمہ کربلا سے کوفہ و شام تک اہل بیت اطہارؑ پر ہونے والے مظالم ومصائب و آلام کا مقابلہ کرنے میں دیگر ساری مخدرات عصمت اور اپنے شوہر امام علی زین العابدینؑ کے ساتھ برابر کی شریک تھیں۔ (حدثات شیعہ ص ۲۴۰)

حضرت امام پنجم ابھی تین سال کے تھے کہ حضرت امام حسینؑ کو مدینہ چھوڑنا پڑا خاندان رسالت کے کئی چھوٹے بچے قافلے میں تھے جن میں سے ایک امام پنجم بھی تھے یہ قافلہ پہلے مکہ پہنچا اور وہاں سات ذی الحجہ تک قیام پذیر رہا۔ مکہ میں دوران قیام کوفہ والوں کے تقریباً بارہ ہزار (بعض تاریخوں میں ساٹھ ہزار خطوط موصول ہونے کی بات تحریر ہے) خطوط امام حسینؑ کو موصول ہوئے۔ جن میں امامؑ کی بیعت کرکے ان سے رشد و ہدایت حاصل کرنے کی باتیں لکھی گئیں تھیں اور امام کو کوفے آنے کی دعوت دی گئی تھی۔ امام حسینؑ نے اپنے چچازاد بھائی مسلم ابن عقیل کو اپنا سفیر بنا کر کوفے بھیجا جناب مسلم اپنے دو چھوٹے بیٹوں (محمد اور ابراہیم) کو ساتھ لے کر کوفے پہنچے اور جناب مختار کے مکان میں قیام فرمایا (جناب مختار شیعہ علیؑ ہونے کے جرم میں قید و بند کی سختیاں جھیل رہے تھے) وہاں چند ہی دنوں میں اٹھارہ ہزار کوفیوں نے جناب مسلم کی بیعت کی پھر یہ تعداد تیس ہزار تک پہنچ گئی۔ کوفے میں رہنے والے بنی امیہ کے حامیوں نے یزید ملعون کو کوفے کے حالات سے باخبر کیا اور یزید نے بصرے کے گورنر عبید اللہ ابن زیاد ملعون کو حکم نامہ بھیجا کہ جلد سے جلد کوفے پہنچ کر کوفے کے گورنر نعمان ابن بشیر سے چارج لو اور وہاں کے لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اور مال و دولت کی لالچ دے کر مسلم کا ساتھ دینے سے روکو اور مسلم کو گرفتار کرکے ان کا سر کاٹ کر بھیجو اور ان کی لاش کو عبرت کا نشان بنادو۔ ابن زیاد لوگوں کی نظروں سے چھپ کر کوفے کے دار الامارہ میں داخل ہوا۔ اور اپنے سپاہیوں کے ذریعہ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اور لالچ دے کر مسلم کا ساتھ دینے سے باز رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ جب جناب مسلم کو اطلاع ملی تو آپ جناب مختار کے مکان سے ہانی ابن عروہ کے مکان میں منتقل ہوئے ابن زیاد نے معقل نامی غلام کے ذریعہ جناب مسلم کی قیام گاہ کا پتہ لگالیا۔ اور ہانی کو بلوا کر پوچھا ہانی نے اپنے مکان میں مسلم کے چھپے ہونے سے انکار کیا۔ ابن زیاد نے ہانی کے مکان میں مسلم کے موجود ہونے کی اطلاع دینے والوں کو پیش کردیا مجبوراً ہانی کو اقرار کرنا پڑا۔ ابن زیاد نے کہا مسلم کو ہمارے سپرد کرو ہانی جناب مسلم کو ابن زیاد کے سپرد کرنے پر کسی طرح تیار نہیں ہوئے۔ جس کے نتیجہ میں ہانی کو ستون سے باندھ کر ان پر کوڑے برسائے گئے۔ جب وہ بے ہوش ہوگئے تو ان کا سر کاٹ لیا گیا۔ جب جناب مسلم کو ہانی کے گرفتار ہونے کی خبر ملی تو وہ ہانی کے گھر سے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکل آئے یزیدیوں سے گھمسان کی جنگ ہوئی۔ لیکن کثیر ابن شہاب محمد ابن اشعث، شمر ابن ذی الجوشن، شیث ابن ربعی، جناب مسلم کے ساتھیوں کو ابن زیاد کا خوف دلا کر ان کو منتشر کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہاں تک کہ نماز مغربین میں جناب مسلم کے ساتھ صرف تیس افراد رہ گئے اور جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو مسجد میں کوئی بھی موجود نہ تھا۔ کوفے کی گلیوں میں بھٹک رہے تھے۔ آپ نے کوفے سے باہر نکلنے کی کوشش کی لیکن کوفے سے باہر نکلنے کے سارے راستے بند تھے اسی تگ و دو میں رات گزر گئی۔ اور دن بھر آپ ایک ویران مسجد میں پوشیدہ رہے۔ جب رات گہری ہوگئی تو آپ مسجد سے باہر نکلے۔ لیکن بھوک اور پیاس سے نڈھال ہونے کی وجہ سے راستہ چلنا دشوار تھا گھوڑا ابھی ساتھ تھا جس کو اس کی ضرورت کے مطابق دانہ پانی نہیں مل سکا تھا۔

مسعودی کی روایت ہے کہ مسلم گھوڑے سے اتر کر کوفہ کی گلیوں میں بھٹکتے ہوئے بنی جبلہ کے گھروں کی طرف نکلے چلتے چلتے اشعث کی آزاد کردہ کنیز طوعہ کے گھر کے سامنے پہنچے وہ دروازے پر کھڑی اپنے لڑکے بلال کا انتظار کررہی تھی۔ مسلم نے اس کو سلام کیا اور اس سے پینے کے لئے پانی مانگا پانی پی کر وہیں بیٹھ گئے طوعہ نے کہا کوفہ کے حالات خراب ہیں اب تم اپنے گھر جاؤ مسلم نے کہا جس کا کوئی گھر ہی نہ ہو وہ کہاں جائے جب مسلم نے اپنا نام بتایا تو اس نے اپنے گھر کے ایک حجرے میں آپ کو بٹھایا طوعہ نے کھانا پیش کیا لیکن مسلم نے نہیں کھایا۔ اور رات بھر عبادت الٰہی میں مشغول رہے۔ دیر رات بلال آیا اور جب اپنی ماں سے اس کو مسلم کے بارے میں معلوم ہوا تو صبح تڑکے اس نے ابن زیاد کو مسلم کے اپنے گھر میں ہونے کی خبر پہنچادی۔ مسلم ابھی نماز سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ گھوڑوں کی اور بہت سے انسانوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ آپ نے اپنے ہتھیار اٹھائے اور گلی میں آگئے۔ کتاب حبیب السیر میں ہے کہ ابن زیاد نے محمد ابن اشعث کے ساتھ مسلم کو گرفتار کرنے کے لئے تین سو آدمی بھیجے تھے ان میں سے اکثر مسلم کے ہاتھوں قتل ہوگئے۔ تو ابن زیاد سے مزید سپاہی مانگے گئے تو ابن زیاد نے کہلایا کیا ایک آدمی کو گرفتار کرنے کے لئے تین سو آدمی بھی کم ہیں تم سب کتنے بزدل ہو۔ ابن اشعث نے کہلایا کہ آپ نے کوفہ کے کسی بنیے بقال کو گرفتار کرنے کے لئے نہیں بھیجا ہے یہ بنی ہاشم کا شیر ہے ان کے سامنے بڑے بڑے جیالے بھی کانپ اٹھتے ہیں۔ غرض کہ دھوکے سے مسلم کو گرفتار کرکے ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا۔

ابن زیاد کا پاسبان بولا تم نے امیر کو سلام نہیں کیا۔ مسلم بولے مالنا الامیر الا الحسین ہمارے امیر صرف حسینؑ ہیں۔ جناب مسلم کو دار الامارہ کے کوٹھے پر لے جا کر نیچے گرادیا گیا ۔اور سر کاٹ لیا گیا۔ ہانی اور مسلم کے سروں کو دمشق بھیج دیا گیا اور ان کے جسموں کو رسیوں سے باندھ کر کوفہ کے بازاروں اور اس کی گلیوں میں کھینچا گیا پھر قصابوں کے بازار میں سولی پر لٹکا دیا گیا۔ (روضۃ الشہداء، اور کشف الغمہ وغیرہ وآہ مغموم وغیرہ۔)

امام محمد باقر

مورخین کا بیان ہے کہ شہادت مسلم کے بعد لوگوں نے ابن زیاد کو جناب مسلم کے دو کمسن فرزندوں کے کوفہ میں موجود ہونے کی خبر دی۔ ابن زیاد نے ان کو گرفتار کرکے قید خانہ میں ڈالنے کا حکم دیا۔ پسران مسلم قاضی شریح کے گھر میں تھے قاضی شریح نے اپنے لڑکے اسد سے کہا بیرون کوفہ ایک قافلہ ٹھہرا ہوا ہے جو مدینہ جائے گا قریب صبح رات کی تاریکی میں تم ان بچوں کو قافلہ میں چھوڑ آؤ جب اسد بچوں کو لے کر کوفے سے باہر نکلا تو قافلہ روانہ ہوچکا تھا۔ جاتے ہوئے دکھائی دے رہا تھا۔ اسد نے بچوں کو قافلے تک نہیں پہنچایا بلکہ قافلے کے راستے پر چھوڑ آیا اور خود ابن زیاد سے خوف زدہ ہونے کی بنا پر وہیں سے لوٹ آیا۔ بچے تھوڑا راستہ ہی طے کرسکے تھے کہ قافلہ نظروں سے غائب ہوگیا اور صبح ہوگئی۔ بچے حیران و پریشان چل رہے تھے ابن زیاد کے آدمیوں نے ان کو دیکھ لیا اور ابن زیاد تک پہنچادیا اس نے بچوں کو قید خانہ میں ڈلوادیا اور مشکور نامی شخص کو ان کا نگراں معین کیا بچے ایک سال قید رہے۔ مشکور بنی امیہ کا حامی نہیں تھا۔ ایک رات جب بچوں کے لئے مشکور کھانا پانی لایا تو بچوں نے رسولؐ کی اولاد سے اپنی قرابت کو تفصیلاً بتایا تو اس نے قید خانے کا دروازہ کھول دیا۔ بچوں کو آزاد کردینے کے جرم میں مشکور کو قتل کردیا گیا۔ وہ بچے رات بھر کوفے کی گلیوں میں بھٹکتے رہے جب صبح کی روشنی پھیلی تو دونوں ایک درخت پر چڑھ کر بیٹھ گئے وہ درخت ایک کوئیں کے پاس تھا۔ ایک عورت جو حارث ملعون کی کنیز تھی کوئیں پر پانی بھرنے آئی پانی میں ان بچوں کا عکس نظر آیا پوچھنے پر بچوں نے اپنے بارے میں بتادیا۔ اس کنیز نے اپنی مالکن کو بتایا مالکن مومنہ تھی وہ بچوں کو اپنے گھر لے گئی ایک حجرے میں دونوں کے آرام کرنے کا انتظام کردیا۔ رات تک بچے وہیں رہے دیر رات گئے اس مومنہ کا شوہر حارث آیا جو بنی امیہ کے حامیوں میں سے تھا۔ اس کو حجرے سے کچھ آہٹ محسوس ہوئی وہ اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا حجرے میں گیا اس کا ہاتھ بچوں پر پڑا بچوں سے پوچھنے پر جب اسے معلوم ہوا کہ مسلم کے بچے ہیں تو ان کو گھسیٹتا ہوا حجرے سے باہر لایا اور ایک ستون سے باندھنے لگا اس کی بیوی نے روکنا چاہا تو اسے قتل کردیا۔

صبح کو اٹھ کر اپنے غلام فلیح کو دونوں بچوں کے ہاتھ تھمائے کہ ان کو فرات کے کنارے لے جا کر قتل کردو اور سروں کو کاٹ کر لے آؤ تاکہ میں ابن زیاد سے دو ہزار درہم حاصل کرسکوں وہ غلام بچوں کو لے کر چلا۔ اور جب اس کو بچوں کی حقیقت معلوم ہوئی تو وہ بچوں کو دریا کے کنارے چھوڑ کر دریا عبور کرکے بھاگ گیا حارث پکارتا رہ گیا۔ حارث نے اپنے بیٹے کو یہی حکم دیا اور وہ بھی دریا پار کر بھاگ لیا۔ حارث نے خود بچوں کو قتل کیا اور جب سروں کو لے کر ابن زیاد کے پاس پہنچا تو اس نے تفصیل پوچھی حارث نے جب تفصیل بتائی اور حارث سے بچوں کی جو گفتگو ہوئی اس کو نقل کیا جس میں بچوں نے اس سے کہا تھا ہم کو بازار میں بیچ ڈال تجھ کو انعام سے زیادہ رقم دستیاب ہوجائے گی۔ اور کہا تھا ہم کو ابن زیاد کے پاس لے چل اور فیصلے کو اس پر چھوڑ دے اس کے باوجود حارث نے قتل کیا۔ تو ابن زیاد نے پوچھا پھر کیوں قتل کیا حارث نے کہا خدا کی خوشنودی کے لئے ابن زیاد نے کہا فیصلہ ہوگیا میں تم کو خوشنودی خدا کے لئے قتل کروا رہا ہوں سپاہیوں کے ذریعہ حارث کو بندھوا کر اپنے حبشی غلام نادر کے سپرد کیا اور کہا۔ جہاں اس نے بچوں کو قتل کیا ہے وہیں لے جا کر اس کو بھی قتل کرکے اس کا سر کاٹ کر لیتا آ۔ نادر، حارث کو دریا کے کنارے وہیں لے کر گیا جہاں اس نے بچوں کو قتل کیا تھا۔ اور اس کا سر لا کر ابن زیاد کے سپرد کیا، حارث کے جسم کو کئی بار دریا میں ڈالا گیا لیکن ہر بار دریا کی موجیں اس کے جسم کو باہر پھینک دیتیں تھیں بالآخر اس کے جسم کو جلا دیا گیا اور سر کو سر راہ لٹکا دیا گیا۔

حضرت امام حسینؑ آٹھ ذی الحجہ ۶۰ھ کو مکے سے روانہ ہوئے منزل زبالہ پر آپ کو جناب مسلم وہانی ومحمد ابن کثیر وعبد اللہ ابن یقطر وغیرہ جیسے جاں نثاروں کی شہادت کی خبر ملی۔ منزل شراف پر حر کا لشکر سد راہ ہوا جو پیاس سے جاں بلب تھا سارے لشکر کو مع ان کے گھوڑوں کے سیراب فرمایا۔ حر نے بتایا کہ ابن زیاد نے ہم کو آپ کی گرفتاری کے لئے بھیجا ہے۔ امامؑ نے فرمایا ہمارے جیتے جی تم اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ حر سے گفتگو میں ردّ وقدح کے بعد امام کا قافلہ کربلا کے جنگل کی طرف روانہ ہوا حر کا لشکر ساتھ رہا قافلہ حسینی لب دریا خیمہ زن ہوا۔ لیکن ابن زیاد کے حکم سے چھ محرم کو دریا کے کنارے امام حسینؑ کے خیمے ہٹوا کر ان پر پانی بند کردیا گیا۔ اور روز عاشور چمنستان محمدؐ کو برباد کردیا گیا۔ امام سجادؑ اور مخدرات عصمت اور کمسن بچوں تک کو اسیر کرکے کربلا سے کوفے اور کوفے سے شام تک ان کی تشہیر کی گئی اور یزید ملعون نے ان کو قید کردیا۔ ایسا قید خانہ جو بغیر چھت کے تھا۔ اس حسینی قافلے کے مصائب نے کائنات عالم کو تڑپا کر رکھ دیا اور اس زمانے کے اعتبار سے جتنا ظلم یزید اور یزیدیوں سے ممکن ہوسکا وہ حضرت امام حسینؑ اور ان کے اصحاب وانصار اور سارے خاندان پر ڈھایا۔ روئے زمین پر جو بہترین افراد تھے ان پر بدترین افراد نے ظلم کے پہاڑ توڑے۔ کربلا میں حسینی قافلے میں تقریباً چالیس بچے تھے لیکن جب قافلۂ حسینی کی مدینہ واپسی ہوئی ہے تو اس قافلے میں دس بچے بھی نہیں تھے۔

دور جدید کے یزید: آج ۲۰۲۴ء میں یزیدی سوچ کے حامل (اسرائیل، امریکہ، برطانیہ وغیرہ) فلسطین پر جو ظلم و بربریت کی مثال قائم کررہے ہیں اس نے کربلا میں ہونے والے ظلم وبربریت کی منظر کشی کردی۔

میزائلوں اور بموں کے ذریعہ فلسطین کو کھنڈر بنادیا ہے پھر بھی حملے جاری ہیں لاکھوں گھروں کو گراچکے ہیں سیکڑوں مسجدیں مسمار کرچکے ہیں ہزاروں آدمیوں کو ماردیا ہے جن میں اکثر نومولود بچے اور عورتیں زیادہ ہیں پانی بند کردیا جو سامان غذا تھا اس کو برباد کردیا جلا ڈالا اور باہر سے مدد پہنچنے نہیں دے رہے ہیں۔ لاکھوں آدمی اپاہج ہوچکے ہیں بجلی کاٹ دی ہے۔ اسپتالوں کو گرادیا ہے ڈاکٹروں اور نرسوں کو ماردیا ہے مریضوں تک کو گولی مار رہے ہیں اس کے باوجود اسرائیل اور اس کو ہتھیاروں سے لیس کرنے والے ممالک کہتے ہیں کہ یہ ظلم نہیں اسرائیل کو دفاع کا حق ہے دہشت گرد تو فلسطینی مسلمان ہیں جن کو تقریباً سو سال سے عالمی دہشت گرد ممالک اسرائیل کے ذریعہ مروا کر ان کی زمینوں پر اسرائیل کو قبضہ دلوائے جارہے ہیں۔ ۷/اکتوبر ۲۰۲۳ء کو حماس نے جواب دینے کی کوشش کی جس کی سزا پورے فلسطین، لبنان، اور یمن اور شام وغیرہ کو مل رہی ہے۔ اور سارے اسلامی ممالک خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ صرف یمن، لبنان سے حزب اللہ شام وعراق اپنی سکت بھر حملوں کا جواب دے رہے ہیں اور ان کی مدد صرف ایران کررہا ہے۔ اس سے پہلے امریکہ کے اشارے پر صدام ملعون نے ایران پر حملہ کیا آٹھ سال تک ایران میں اس حملے سے نبرد آزما رہا پھر امریکہ وغیرہ نے دہشت گردوں کی تنظیم بنائی جس کا نام داعش رکھا اور اس کے ذریعہ عراق اور شام پر حملہ کردیا۔ جس میں لاکھوں مسلمان شہید ہوئے پھر امریکہ نے سعودی عربیہ کے ذریعہ یمن پر حملہ کروایا۔ پاکستان بنتے ہی وہاں دہشت گردی کا رواج ہوا اور اب ہندوستانی بھاجپائی حکومت نے سارے بھارت میں حکومت حاصل کرنے کے لئے پھر ۲۰۱۴ء سے حکومت پر براجمان رہنے کے لئے دہشت گردی کو فروغ دیا اور نفرت کی بانسری بجائی، اکثریت اس کے جھانسے میں آگئی۔ ظلم سے اور ظالموں سے نبرد آزما رہنے کے لئے کربلا والے ہمیں راہ مستقیم دکھا گئے ہیں اور اسی راہ کو اپناتے ہوئے گاندھی جی نے ملک ہندوستان کو انگریزوں سے آزادی دلوائی تھی۔

☆☆---☆☆

سلام

میر ببر علی انیسؔ اعلی اللہ مقامہ

نہ منصب سے غرض، نے خواہشِ جاگیر رکھتے ہیں
جو رکھتے ہیں تو عشقِ روضۂ شبیر رکھتے ہیں
خیالِ زلف و روئے حضرتِ شبیر رکھتے ہیں
ہم اپنی چشم میں دن رات کی تصویر رکھتے ہیں
شبِ ہفتم سے ہے غیظ وغضب عباسِ غازی کو
نہ کاندھے سے سپر، نہ ہاتھ سے شمشیر رکھتے ہیں
ٹپک پڑتے ہیں مثلِ شمع آنسو، جلنے والوں کے
مرے دل سوز نالے بھی عجب تاثیر رکھتے ہیں
بلا قید آئیں سائل، تھا یہ حکمِ حیدرِ صفدر
سخی جو ہیں وہ دروازے میں کب زنجیر رکھتے ہیں
تجرد پیشہ ہیں، ہم کو عداوت ہے تعلق سے
کمر میں بہرِ قطعِ آرزو، زنجیر رکھتے ہیں
نبی کے نقشِ پا ہیں، یہ زمانہ جن سے روشن ہے
مہ و خورشید کب اس طرح کی تنویر رکھتے ہیں
ورائے فقر کیا ہے اور، گھر میں ہم فقیروں کے
وہ دیوانے ہیں دروازے میں جو زنجیر رکھتے ہیں
خوشی ہے قربِ حق کی، آرزو امت کی بخشش کی
گلا خود زیرِ خنجر حضرتِ شبیر رکھتے ہیں
بھلا دیکھیں فشارِ قبر یاں تک کیوں کر آتا ہے
کفن میں ہم غبارِ تربتِ شبیر رکھتے ہیں
وہ کٹواتے ہیں امت کے لیے سوکھے گلے اپنے
جو فردوسِ بریں میں جوئے شہد و شیر رکھتے ہیں
علیؑ کی تیغ سے کھودی ہے رن میں قبر چھوٹی سی
لحد میں آپ حضرت لاشۂ بے شیر رکھتے ہیں
وطن سے جن سبھوں نے شاہ کو مہماں بلایا تھا
وہ تلواروں پہ باڑھیں ترکشوں میں تیر رکھتے ہیں
چبھو دیتا ہے خولی نوکِ نیزہ پشتِ عابدؑ پر
زمیں پر ہاتھ سے جب پاؤں کی زنجیر رکھتے ہیں
یہ وقتِ ظہر گردوں سے صدا آتی تھی ہاتف کی
کہ ہاتھ اب قبضۂ شمشیر پر شبیرؑ رکھتے ہیں
وہ پنجہ ہے کہ جس میں قوتِ مشکل کشائی ہے
وہ بازو ہیں جو زورِ شاہِ خیبر گیر رکھتے ہیں
کسی نے نزع میں یہ مرتبہ، یہ اوج پایا ہے؟
سرِ حُر اپنے زانو پر شہِ دل گیر رکھتے ہیں
توقع جن سے تھی وہ لوگ مطلب آشنا نکلے
انیسؔ افسوس! ہم بھی کیا بری تقدیر رکھتے ہیں

✿✿✿

سلام

مرزا سلامت علی دبیرؔ اعلی اللہ مقامہ

ہے عکس گیسوئے رخ اکبر کہاں کہاں
سنبل کہاں کہاں ہے گلِ تر کہاں کہاں
گلزار میں جناں میں ختن میں تتار میں
پھیلی ہے نکہتِ گل حیدرؑ کہاں کہاں
خورشید میں قمر میں ستاروں میں برق میں
ہے نورِ آفتابِ پیمبرؐ کہاں کہاں
کوفہ میں کربلا میں بقیعہ میں طوس میں
مدفون ہوئے بتولؑ کے دلبر کہاں کہاں
بغداد میں عراق میں خیبر میں شام میں
تھے جمع قتل شہؑ کو ستمگر کہاں کہاں
بستی میں جنگلوں میں ترائی میں کوہ میں
شہؑ کو لئے پھرا ہے مقدر کہاں کہاں
غربت میں گھر میں قید میں محشر میں اے دبیرؔ
آئے مدد کو ساقئ کوثرؑ کہاں کہاں

✿✿✿

سلام

مولانا محمد علی جوہرؔ

بیتاب کر رہی ہے تمنائے کربلا
یاد آ رہا ہے بادیہ پیمائے کربلا
ہے مقتلِ حسینؑ میں اب تک وہی بہار
ہیں کس قدر شگفتہ یہ گلہائے کربلا
روزِ ازل سے ہے یہی اک مقصدِ حیات
جائے گا سر کے ساتھ، ہے سودائے کربلا
جو رازِ کیمیا ہے نہاں خاک میں اُسے
سمجھا ہے خوب ناصیہ فرسائے کربلا
مطلب فرات سے ہے نہ آبِ حیات سے
ہوں تشنۂ شہادت و شیدائے کربلا
جوہرؔ مسیح وخضر کو ملتی نہیں یہ چیز
اور یوں نصیب سے تجھے مل جائے کربلا

✿✿✿

کربلا، امام حسینؑ اور ان کا پیغام عدل

پروفیسر شاہ محمد وسیم علی گڑھ

عالم اسلام کو معرفت امام حسینؑ کیلئے ان کی مناجات پر غور وفکر کرنا چاہئے اور اس طرح ان کی سمجھ آجائے گا کہ منکر تعلیمات قرآن و رسول ﷺ یزید کے سوال بیعت کا جواب انکار کے علاوہ اور کیا ہوسکتا تھا؟

ایک بار انس ابن مالک امامؑ کے ساتھ کہیں جارہے تھے۔ راستہ میں جب قبر جناب خدیجہ پر پہنچے تو امامؑ رونے لگے۔ آپؑ نے انس سے کہا کہ اب تم جاؤ۔ لیکن انس" ایک جگہ چھپ کر دیکھنے لگے کہ حضرتؑ کیا کرتے ہیں؟" وہ بیان کرتے ہیں کہ" میں نے دیکھا کہ حضرت نے وہاں نماز پڑھنی شروع کیں۔ اس کے بعد خدا سے اس طرح مناجات کرنے لگے:

يارب ، يارب انت مولاه
فارحم عبيدا اليك ملجاه
يا ذالمالی عليك معتمدی
طوبیٰ لمن كنت انت مولاه
طوبیٰ لمن كان حازما ارقا
يشكو الی ذی الجلال بلواه
وما به علة ولا سقم
اكثر من حب المولاه
اذا اشتكی بثه و غصته
اجابه الله ثم لباه
اذا ابتكی بالظلام مبتهلا
اكرمه الله ثم ادناه

(اے میرے رب، اے میرے رب، تو ہی آقا اور مولا ہے۔ پس تو اپنے حقیر بندہ پر رحم فرما جو تیری پناہ کا طالب ہے۔ اے صاحب کمال تجھ ہی پر میرا پورا بھروسہ ہے۔ جس کا تو مولا ہو۔ اس کی خوش قسمتی کی کیا حد ہوسکتی ہے؟ جو (بندہ) ہوشیار اور مستعد رہے اور تجھ ایسے ذو الجلال والاکرام سے اپنی مصیبتوں کی شکایت کرے۔ وہ کیسا نیک بخت ہے۔ اور اس کی کوئی تکلیف اور مرض اس کے مولا کی محبت سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتی۔ اور جب وہ اپنے غم واندوہ کی شکایت کرے تو اللہ فوراً اس کی دعا قبول کرلے۔ اور اس کے (استغاثہ پر) لبیک کہے۔ (اور) جب راتوں کو اندھیرے میں وہ اس کی بارگاہ میں گڑگڑائے تو اللہ اس کی عزت بڑھا دے اور اسے (اپنے دربار میں) مقرب کرے۔

حضرتؑ کی مناجات یہیں تک پہنچی تھی کہ ۔۔۔ ہاتف غیبی نے ۔۔۔۔ جواب دیا۔ لبيك عبدی و انت فی كنفی ۔ و كلما قلت قد علمناه ۔ اے میرے بندے! تو میری خاص بارگاہ میں داخل ہوگیا اور جو کچھ تونے کہا میں نے سن لیا۔۔۔۔ (۱)

یہی امام حسینؑ ہیں جن کے لئے اور جن کے بھائی امام حسنؑ کیلئے اور احادیث کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ الحسنؑ والحسینؑ ابنائی ، من احبهما احبنی و من احبنی احبه الله ومن احبه الله دخل الجنة ۔ (۲) اور یہ کہ هذان ابنائی و ابناء ابنتی . اللهم انی احبهما فاحبهما و احب من يحبهما ۔۔ (یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی (فاطمہؑ) کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ پس تو بھی ان سے محبت کر اور ان سے (بھی) جوان سے محبت کرے۔ (۳)

اسی نواسۂ رسول سے یزید طلب گار بیعت ہوا۔ یزید کون تھا؟ وہ کیا چاہتا تھا؟ ہر حق پرست آگاہ ہے۔ ۶۰ھ میں معاویہ کا انتقال ہوا تو اس نے اپنے بیٹے یزید کو تخت حکومت پر بٹھا دیا اور یوں ملوکیت کی بنیادیں مستحکم کرنے کی تدبیر عمل میں آئی۔ یزید کیلئے" اب احنف کا قول سننے کے قابل ہے۔ ان سے امیر معاویہ نے پوچھا کہ تم نے اپنے بھتیجے (یزید) کو کیسا پایا؟ انہوں نے جواب دیا:

انا نخاف الله . ان كذبنا و نخافكم ان صدقنا

(اگر ہم جھوٹ بولیں تو خدا کا ڈر ہے، اور اگر سچ بولیں تو تمہارا ڈر ہے۔ (ابن کثیر) (۴)

اور بقول سبط ابن جوزی ۔۔" کون سی چیز اس سے زیادہ قبیح تر کہی جائے گی، جو اس (یزید) کی سلطنت میں واقع نہ ہوئی ہو"۔ ایسا شخص نواسۂ رسول سے طلب گار بیعت ہوا۔ اس لئے کہ حسینؑ کے بیعت کرلینے کے معنی تھے یزید کے تمام اطوار اور اقوال کی اسلامی ضمانت ۔ امامؑ نے انکار بیعت کیا، کیونکہ اسلام جھوٹ نہیں بولتا ہے اور نہ اسلام والے۔ امام حسینؑ انکار بیعت کے نتیجے اور انجام سے باخبر تھے۔ ولید ابن عتبہ سے ملاقات کے وقت جس طرح انہوں نے اپنا موقف اور حق وعدل سے وابستگی کا اعلان کیا تھا۔ اور جس طرح حر کے پیاسے لشکر کو پانی پلانے کے بعد یہ فرمایا تھا کہ وہ خدا کیلئے راہ حق و صداقت میں جان دینے کو یزید جیسے فاسق و فاجر کی بیعت پر ترجیح دیں گے۔ ان کے عزم وارادے کو ظاہر کرتا ہے۔

روز عاشورا امام حسینؑ نے اپنے اسی عزم کا یہ کہہ کر اعلان کیا کہ" اے لوگو! دیکھو تو غیر قانونی شخص (ابن زیاد) کس دلیری کے ساتھ ہمیں مجبور کررہا ہے کہ ان دو شرائط میں سے کسی ایک کو منظور کرلیں : ذلت یا موت! جاؤ اور اپنے آقا سے کہہ دو کہ حسینؑ کو ذلت منظور نہیں ہے۔ (۴)

یزید اپنی فوج اور اپنے اسلحہ پر نازاں تھا اور حسینؑ ابن علیؑ اپنے رب اور اس کے فرمان اور اپنے نانا محمد مصطفیٰ ﷺ کے پیغام پر۔

ظلم اور سوال بیعت یاں پیاسے امام عالی کمال سے پسر علیؑ کے ، محمدؐ کے نواسے اور فاطمہؑ کے لال سے جواب سوال بیعت نفی میں ہے سن اے یزید بدگہر معصومیت کو دوام ملا خون گلوئے اصغر نونہال سے

امام علیہ السلام نے کوئی لڑا کو فوج جمع نہ کی تھی۔ صرف ایمان والوں کو ساتھ لیا تھا، بلکہ پختہ ایمان والوں کو! لوگوں کی گردنوں سے بیعت اٹھا کر دنیا والوں کو بیعت کا مطلب اور لااکراہ فی الدین کی عملی تفسیر پیش کی۔ آج دنیا والوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام جہاد کا قائل ہے۔ جنت کا نہیں۔ اور جہاد جب میدان جنگ پہنچایا جاتا ہے تو دفاعی (Defensive) و تا ے۔ جارحان※ ن※یں! امام حسینؑ نے شب عاشورا اپنے خطبے میں ※※ا:

" میں خدا کی حمد کرتا ہوں، جس نے ہمیں پیغمبری سے سرفراز کیا اور ہمیں قرآن اور دین کی تعلیم دی۔۔۔۔ میں اپنے اصحاب سے بہتر کسی کو نہیں جانتا۔ اور نہ اپنے خاندان سے زیادہ کسی کو مذہبی ۔۔۔۔ اللہ تم کو (اے میرے اصحاب) جزاء عطا کرے مجھے معلوم ہے کہ کل ہمارا خاتمہ ہوجائے گا۔۔۔ میں تم سب کو اجازت دیتا ہوں کہ (یہاں سے) چلے جاؤ۔ میں تمہیں روکوں گا نہیں۔ رات (کا اندھیرا) تمہیں ڈھانپ لے گا۔ اس کو سمندکی طرح کام میں لاؤ" (۵)

امام حسینؑ نے صرف کہا ہی نہیں چراغ بھی بجھا دیا کہ جانے والے چلے جائیں۔ مگر کون جاتا اور کیوں جاتا کہ سب کے سب جنت کے مشتاق تھے۔ اس طرح شہیدان کربلا راسخ العقیدہ اور ایمان کے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز تھے۔ جی چاہتا ہے کہ کہوں اور سرکار ختمی مرتبت ﷺ کی بارگاہ میں عرض کروں: آقا! یہ انصار حسینؑ ایمان کے کس درجہ پر فائز ہیں؟ یقیناً اصحاب اور انصاران حسینؑ اور اعزا اور اقربا سب کے سب مثالی ایمان والے تھے، ان کی عظمتوں کو سلام کیجئے!

حسینؑ نے بیعت اٹھالی، چراغ گل کردیا تو سب سے پہلے جناب ام البنینؑ کا جری بیٹا اٹھا اور اعلان کیا: آقا ایک زندگی کی ستر ستر زندگیاں بھی ملیں گی تو آپ پر نچھاور کریں گے۔

یزید کے سوال بیعت کو ٹھکرانا اور اس کو للکارنا امام حسینؑ کی ذمہ داری تھی کہ وہ امام وقت تھے، اور تمام امت اسلامیہ کی ذمہ داری تھی کہ وہ امامؑ کی آواز پر لبیک کہے۔ لیکن یہ کیا ہوا کہ حسینؑ اللہ والوں کا مختصر سا لشکر لے کر ایک ایسے تشدد پسند، بدکردار اور حکومت پسند سے اس طرح نبرد آزما ہوتے کہ کربلا میں گھیر کر لائے گئے تھے۔ حسینؑ یہ بھی کرسکتے تھے راستہ میں کہیں حر کے لشکر سے نبرد آزما ہوجاتے، مگر نہیں! امام مظلومؑ کی فکر کو سلام کیجئے۔ کہ ایسا کرتے تو بددیانت مورخ لکھ دیتا کہ حسینؑ لشکر کشی کیلئے نکلے تھے، فوج تھی، دانہ پانی تھا، حملہ کیا اور پسپا ہوگئے۔ لیکن اس کے باوجود جو لکھتے ہیں کیسے لکھیں اور کیسے چھپائیں گے فرات پر پہرے، انصار، اقربا اور اولادوں کی قربانی، معصوم علی اصغرؑ کی شہادت، خیام میں لگائی گئی آگ، امام زین العابدینؑ کی بیماری کی حالت میں ان کے بستر کھینچنے کو سکینہؑ بنت الحسینؑ کو طمانچہ مارنے کو، ان کے گوشوارے چھیننے کو، مقتل سے اسیران کربلا کے گزرنے کو، جناب ام کلثومؑ کے اونٹ پر رسن بستہ سوار ہونے کو اور گنج شہیداں سے گزرتے وقت یہ نعرہ مار کر رونے کو کہ" یا اخاہ عباس" امام زین العابدینؑ کی بیڑیوں اور ہتھکڑیوں کو اور ان کے گلے میں طوق خاردار کو، اور زینبؑ کے دربار ابن زیاد میں خطبہ کو اور بازار کوفہ میں عوام سے ان کے خطاب کو، اور راہ کوفہ و شام میں جناب سکینہؑ، جناب ام کلثومؑ اور جناب زینبؑ کے خطبوں کو، اور سب سے بڑھ کر دربار یزید میں جہاں دوسرے ممالک کے سفیر بھی موجود تھے، زینبؑ کے خطبوں کو (۶) اور بی بی فضہ کی گفتگو کو۔

یہاں یہ بیان کردینا ضروری ہے کہ ہمیں ابھی بہت کچھ معلوم ہونا ہے کہ ہم نے دوسری زبانوں کے خزانے ابھی نہیں ٹٹولے ہیں۔ (۷)

امام حسینؑ اسی عدل کا احیاء کررہے تھے، جس کو قرآن اور محمد مصطفیٰ ﷺ نے رائج کیا تھا۔ مگر اس پر ملوکیت کی دھول پڑ چکی تھی۔ اسلام پر عجب وقت پڑا تھا۔ مفکرین اسلام کیا کہتے ہیں۔ کتابوں میں درج ہے۔

دیکھئے گوپال کرشن گوکھلے کیا کہتے ہیں اسلام بالکل مٹ جاتا اور اگر اسلام کا وجود رہتا بھی تو بے اصول اور بدترین مذہب کی حیثیت سے، جس کے اندر بڑی آزادی کے ساتھ وہ سب برائیاں پھیل جاتیں، جن کا رواج یزید اور اس کے زمانہ کے عام مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی کا شعار ہوگیا تھا۔ بقول سید احتشام حسین:" بہتر آدمیوں کی مختصری جماعت نے ، جس میں بچے بھی شامل تھے ، حکومت وقت سے ٹکر لے لی اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے یہ بات واضح کردی کہ وہ شہنشاہیت کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرسکتے۔ اور جی سی سموئیل (G . C Samuel) رقم طراز ہیں (کہ)" عالم انسانیت کو سانحہ کربلا نے متعدد ایسے زبردست سبق دیئے ہیں، جن کو نہ تو میں فراموش کرسکتا ہوں اور نہ کوئی انصاف پرور حقیقت شناس انسان فراموش کرسکتا ہے۔ حسینؑ نے دنیا پر واضح کردیا کہ جو خدا کے نام پر جان دیتے ہیں، خدا ان کو حیات جاوید عطا کرتا ہے، حسینؑ نے دنیا کو آگاہ کردیا کہ حق باطل سے مغلوب نہیں ہوتا۔ انہوں نے ظاہر کردیا کہ حق پر مرمٹنا ہی انسانیت ہے، انہوں نے سکھایا کہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔ حسینؑ نے مطلع کردیا کہ مظلوموں کی آہوں میں اتنی طاقت و قوت ہوتی ہے کہ زبردست سے زبردست حکومت کے تختے الٹ جاتے ہیں۔ میں ہر کرسچین نائٹ (Christian Knight) کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ جنگ کے میدان میں حسینؑ کی صورت مستقل مزاج ،ثابت قدم اور مصائب پر صبر کرنے والا رہے۔ (۸)

سچ ہے کہ نواسۂ رسول حسین ابن علی علیہ السلام نے ظالم کے چہرہ سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نقاب الٹ دی ہے۔ عدل کے تقاضوں کو مظلومیت کے خون سے حروف جلی میں ذہن انسانی پر ثبت کردیا۔ زندگی کی روح کو بیداری عطا کی، تا کہ آنے والے وقت میں کوئی یزید وقت سر نہ اٹھا سکے اور اگر اٹھائے بھی تو خود اوندھے منھ زمین پر آرہے۔ ظلم سے نبرد آزما ہونے کی ہمت کمزور و بے سہارا انسانوں کو عطا کی۔ سچ ہے کہ حسینؑ اگر یزید کے سوال بیعت کی مخالفت میں نہ اٹھ کھڑے ہوتے اور گراں بہا قربانیاں بارگاہ خداوند متعال میں پیش نہ کرتے ، اور بعد عصر عاشور امام زین العابدینؑ، زینبؑ ، ام کلثومؑ اور سکینہؑ کی آوازیں ظلم کو نہ للکارتیں اور اس طرح صحن عالم میں مظلومین کی آواز نہ گونجتی تو تاریخ عالم کو اور کمزور و بے سہارا کچلے ہوئے افراد کو عزم ویقین کے ساتھ انسانیت کی سربلندی کیلئے کوشاں رہنے کا پیغام نہ ملتا۔

اسلام اور ایمان کو خون شہیدان کربلا نے حیات نو عطا کی، کہ امام حسینؑ نے مدینہ چھوڑنے پر کہا تھا: ۔۔۔" میرے جہاد کا مقصد نہ تو ظلم ہے اور نہ بغاوت اور نہ تو یہ (کسی) خود غرضی پر مبنی ہے۔ میں (کسی طرح کی) شر انگیزی یا کسی کے خلاف ظلم کو پھیلانا نہیں چاہتا۔ میں تو صرف اپنے نانا کی امت کی اصلاح کیلئے جارہا ہوں۔ اور میں اپنے بزرگوں کے لائحہ عمل پر قائم رہوں گا۔ (۹)

میں نے اس مضمون کی ابتدا مناجات امام حسینؑ سے کی تھی۔ اب یہی امام جب ریگزار کربلا میں پشت فرش سے زمین پر آیا۔ زخموں سے چور، بھوکا پیاسا، بدن میں سموئے ہوئے تیروں کے ساتھ تو سر اسی خالق کیلئے سجدہ میں رکھ دیا اور اس عالم میں لب پر جاری تھا: اے کائنات کے رحمان اور رحیم خالق، اپنے حسینؑ کی حقیر قربانی کو قبول فرما۔ تو نے حسینؑ کو جو کچھ دیا تھا، وہ سب کا سب اس نے تجھے سونپ دیا ہے۔ اگر تیرے برگزیدہ نبی کے بیٹے کے پاس اور کچھ بھی ہوتا تو اسے بھی تجھے سونپ دیتا۔ اے مالک: ایمان کے ۔۔۔۔ گناہ بخش دینا۔ اے رحمن ورحیم سجدہ ختم ہوا تو امام مظلوم کی زبان پر جاری تھا، اے میرے مالک اے میرے مالک۔

قارئین کرام! ایسے امام سے جو جنگ کرے اسے کیا کہئے گا۔ وہ واجب لعنت ہے کہ نہیں؟

حوالے :(۱) مولانا سید علی حیدر ، تاریخ ائمہ ، اصلاح پریس کھجوا بہار، ۱۹۶۶ صفحہ ۲۲۔ (۲) حسنؑ و حسینؑ میرے بیٹے ہیں جس نے ان سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے مجھ سے محبت کی، اس نے اللہ سے محبت کی اور جس نے اللہ سے محبت کی وہ جنت میں داخل ہوا : حدیث مستدرک حاکم۔ (۳) حدیث، الترمذی۔ (۴) بحوالہ مولوی ضیاء احمد بدایونی، قول سدید یعنی ردخلافت معاویہ و یزید" علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۶۰ء۔ (۵) الطبری !!، ۳۲۰ ایف بحوالہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، جلد ۳، ای، جے، برل، لیدن، ہالینڈ، ۱۹۷۱۔ (۶) جیسا کہ راقم الحروف نے اپنی ایک تقریر میں امریکہ میں کہا تھا، ان خطبوں کی روحانیت اور عقل دلائل کی رو سے تفسیر بیان ہونا چاہئے۔ (۷) عرصہ ہوا راقم الحروف نے ۱۹۷۰ء میں ایک مولانا سے، جو فعال بھی ہیں، کہا تھا کہ منتخب ذہین بچوں کو جرمن، فرانسیسی، لاطینی وغیرہ اور اس کے علاوہ لیٹن امریکیائی زبانوں کو سکھا کر ان سے ترجمہ کا کام لیجئے تو بہت سی معلومات فراہم بھی ہوجائیں گی اور اس طرح نشر بھی ہو جائیں گی! مگر۔۔۔۔ (۸) دی۔ ٹریجڈی آف کربلا (The Tragady of Karbala)۔ (علامہ مجلسی، بحار الانوار، جلد ۴۴، صفحہ ۳۲۹)۔ □□

مقصدِ حسین علیہ السلام: ایک عام بیداری

موسی رضا

کربلا کا المناک سانحہ جس پر زمانے کے امتداد نے کچھ اثر نہ ڈالا گردش ایام اس سانحہ کو انسانی ذہن سے محو کرنے میں ناکام رہے، وقت جس کو پرانا نہ کرسکا اور یزیدی طاقت جس کو دبا نہ سکی، اس واقعہ کو تاریخ سے مٹانے کی تمام تر کوششیں ناکام رہیں، برخلاف اس کے آج اس المناک سانحہ کو بلا تفریق مذہب وملت عالمی پیمانے پر عزاداری حسینؑ کے نام سے منایا جانے لگا

بیشک حسینؑ نے وہ قربانیاں پیش کیں جو عدیم المثال ہیں۔ ظالم ہر طرح سے ظلم کرکے تھک چکا تھا۔ مگر وہ حسینؑ کے حوصلوں کو پسپا نہ کرسکا۔ یہاں تک کہ حسینؑ نے چھ مہینے کے علی اصغرؑ پر ہوئے اس ظلم کو بھی برداشت کیا جس پر عرش لرزہ براندام ہوا اور زمین کو زلزلہ آگیا۔ حسینؑ نے تمام سرمائے کو کربلا میں پیش کرنے کے بعد اپنی جبین کو خاک کربلا پر رکھ کر آخری سجدہ کیا، تب شمر کا خنجر بوسہ گاہ مصطفیٰؐ پر چلا اور حسینؑ نے جام شہادت نوش فرمایا۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ انسان عظیم ترین قربانی اسی وقت پیش کرتا ہے جب اس کے پیش نظر اس قربانی کے ذریعہ کسی اہم ترین مقصد کا حصول ممکن ہو۔ اب جب کہ حسینؑ نے ایسی قربانی پیش کی جو عالم اسلام میں عظمت کے اعتبار سے منفرد اور اہمیت کے تعلق سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ تو بیشک حسینؑ کا مقصد بھی عظمت و اہمیت میں اسی قربانی کے ہم پلہ ہوگا۔

کلی طور پر یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے کہ حسینؑ کی قربانی کا مقصد اسلام کا احیاء تھا۔ مگر یہ احیا کس طور ممکن تھا اور حسینؑ نے اسلام کو کیونکر زندہ وجاوید کردیا اس کو سمجھنے کے لئے یہ جاننا لازمی ہے کہ آیا واقعی اسلام کی نبض حیات سست ہوگئی تھی اور عنقریب تھا کہ وہ بند بھی ہوجائے؟

کسی بھی مذہب کو ختم کرنے کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے حقائق کو مٹا دیا جائے، اس کے اصول وضوابط کو مسخ کردیا جائے اور اس میں اس قدر تبدیلیاں پیدا کردی جائیں کہ وہ مذہب اپنی اصل صورت و ہیئت پر باقی نہ رہے۔ جب ان آفات کی سیاہ آندھیاں کسی مذہب کو اپنی زد میں لیتی ہیں تو وہ مذہب کے سراج منیر کو گل کردیتی ہیں جس کے ذریعہ لوگ گمراہی کی تاریکی میں ہدایت کی راہ تلاش کرلیا کرتے تھے۔ بس چراغ کے خموش ہوتے ہی تمام اہل مذاہب صراط مستقیم کو چھوڑ کر مختلف راہیں اختیار کرلیتے ہیں، اور اس طرح مذہب کی اصل وضع (انسانوں کو متحد ومنظم رکھنا) محو ہوجاتی ہے جس کے سبب وہ مذہب مردہ ہو جاتا ہے۔ اور عالم وجود میں فقط اس کا نام رہ جاتا ہے۔

مگر ان تمام صورتوں کا عمل درآمد ہونا تبھی ممکن ہو پاتا ہے جب اس مذہب کے حامیین اور پیروکار جواباً کوئی رد عمل پیش نہ کریں اور ان خرابیوں کے رونما ہونے پر آواز احتجاج بلند نہ کریں۔

لہٰذا وہ شخص جو کسی مذہب کو مٹانا چاہتا ہے سب سے پہلے ایسی فضا ہموار کرتا ہے کہ جس میں مذہب کے حامیین اور پیروکار اس کے خلاف نہ صرف کوئی تحریک چلاسکیں بلکہ صدائے احتجاج بھی بلند نہ کرنے پائیں۔ اب چاہے ایسی فضا بنانے میں وہ ظلم واستبداد کا سہارا لے یا خوف و ڈر کو اپنا آلۂ کار قرار دے۔

اگر ہم مذکورہ بالا معروضہ کی روشنی میں زمانۂ امام حسینؑ کے اسلام کا تقابل زمانۂ رسالت کے اسلام سے کریں تو کچھ ایسے عمل بھی نظر آئیں گے جنکا قرآن وسنت کے خلاف ہونا اسلامی روح اور اس کی حقانیت کے لئے نقصاندہ ثابت ہوا۔

مثلاً "اسد الغابہ" کی روایت کے مطابق ایک شخص تھے حتات بن زید بن علقمہ تمیمی ان کے اور امیر شام کے درمیان رسولِ خدا نے مواخات (ایک کو دوسرے کا بھائی بنانا) قرار دی تھی۔ ویسی ہی مواخات جیسی ایک مرتبہ مہاجرین وانصار کے درمیان کی گئی تھی۔

ہر شخص اس بات سے آگاہ تھا ، کہ مواخات کے ذریعہ بنے ہوئے بھائیوں پر وہ احکام صادق نہیں آتے جو سگے بھائیوں پر صادق آتے ہیں۔ لہٰذا ایسے (مواخات) بھائی ایک دوسرے کی میراث پانے کا حق نہیں رکھتے۔ لیکن جب حتات کا انتقال ہوا تو وہ اتفاقاً امیر شام کے پاس ہی تھے۔ امیر نے ان کی میراث یہ کہہ کر اپنے قبضہ میں لے لی کہ یہ میرا بھائی ہے (جبکہ اسلامی نقطۂ نظر سے مواخات کے ذریعہ بنے بھائی کو میراث نہیں ملتی۔) اس عمل سے مسلمانوں میں شور ضرور ہوا، مگر اقتدار حکومت کے کان عوام کی چیخ پکار سننے سے بالاتر تھے۔ لہٰذا تاریخ نہیں بتاتی کہ حتات کی میراث ان کے وارثوں کو لوٹائی گئی ہو۔

دوسری مثال۔ اس بات سے ہر مسلمان واقف ہے کہ عرفہ کے روز حج میں تلبیہ کہنا (**اللھم لبیک**) ضروری و لازمی ہے۔ رسول کریمؐ اور اصحاب برابر کہتے چلے آئیں ہیں۔ مگر امیر شام نے اسے ترک کرتے ہوئے لوگوں کو تلبیہ سے منع کیا۔ حضرت ابن عباس نے سعید سے عرفہ کے روز پوچھا کہ کیا وجہ ہے میں لوگوں سے تلبیہ کی آواز نہیں سنتا۔ سعید نے کہا کہ لوگ امیر شام سے ڈرتے ہیں۔ یہ سنکر ابن عباس خیمہ سے نکلے اور بلند آواز سے کہا

لبیک اللھم لبیک

اس کے علاوہ اور بہت سی باتیں تھیں جو شریعت کے خلاف عمل میں آرہی تھیں، جیسے امیر شام نے زکاۃ فطرہ کے متعلق اپنی رائے قائم کی اور اسی کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا۔ جس پر ابو سعید خدری نے احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ میں عہد رسالت میں جس طرح زکاۃ نکالتا تھا ویسے ہی نکالوں گا۔ جب تک زندہ ہوں نئے حکم کے مطابق عمل نہ کروں گا۔

ان ہی تخریبی عمل کے نتیجہ میں اسلام کے اصول وضوابط دم توڑنے لگے۔ اور وہ اصحاب جن کے سامنے اسلام کی بہار کا زمانہ گذرا تھا وہ اس چمن کو اجڑتا دیکھ آہ وبکا کرنے لگے۔ جیسا کہ بخاری کی روایت ہے کہ ایک روز ابودردا غصہ میں بھرے گھر آئے سبب دریافت کیا گیا تو کہنے لگے کہ میں ان لوگوں میں امت محمدؐ ہونے کی کوئی نشانی نہیں پاتا سوائے اس کے کہ نماز باجماعت پڑھ لیتے ہیں۔

ان تمام بدعتوں سے اسلامی حقائق کو محو کرنے کی کوششیں جاری تھیں جس کے ردعمل میں کچھ مسلمانوں نے آواز بلند کر کے اپنی بیداری کا ثبوت دیا۔ اگر چہ وہ تعداد کے لحاظ سے بہت کمزور تھے مگر ان کے ضمیر میں اتنی قوت تھی کہ وہ احتجاج کے پرچم کو سربلند کئے ہوئے تھے ۔ جو اسلام کے مٹادینے والوں کے آڑے آرہے تھے۔

لہٰذا اب ان کو ضرورت تھی ایسی فضا ہموار کرنے کی جس میں مسلمانوں پر ایسا ڈر وخوف طاری ہوجائے کہ جس کے بعد وہ دیکھیں سب کچھ، پر بولیں کچھ نہیں۔

اب ان چند مسلمانوں کی بیدار شعوریت اور بے باک مخالفت کو ختم کرنے کیلئے حیلہ سازی سے کام لیا جانے لگا۔ اور جس طور بھی ممکن تھا اسلام کے تئیں ان کی مثبت سوچ کا سدباب کردیا گیا۔ جیسا کہ طبری میں ہے کہ امیر شام کے پاس چار آدمی حتات شبعی، جاریہ بن قدامہ، احنف بن قیس اور جون بن قتادہ آئے تو امیر شام نے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ درہم دئے ، مگر حتات کو 70 ہزار درہم دئے۔ حتات کو جب اس کا علم ہوا تو امیر سے آکر شکایت کی۔ امیر نے کہا ان لوگوں سے میں نے ان کا دین خرید لیا ہے۔ حتات نے کہا پھر مجھ سے بھی میرا دین خرید لیجئے۔

اس طرح سے جو اپنے ایمان کے بدلے مال وزر کے طلبگار ہوئے انھیں دنیا کی ختم ہوجانے والی دولت سے مالا مال کردیا گیا اور جنھوں نے اپنے ایمان کی قیمت فقط ابدی جنت کو قرار دیتے ہوئے مال وزر کو ٹھوکر ماردی، ان پر مظالم کی سختیوں کو اور بڑھا دیا گیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کو جب بے خطا گرفتار کیا گیا اور اس کی خبر زوجہ رسولؐ کو ملی تو انھوں نے حسب ذیل پیغام کے ساتھ عبدالرحمان بن حارث کو امیر شام کے پاس روانہ کیا۔

اللہ فی حجر و اصحابہ یعنی حجر اور ان کے اصحاب کے بارے میں خدا کا خوف کرنا۔ مگر افسوس کہ عبدالرحمان اس وقت پہنچے جب حجر اپنے ساتھیوں سمیت قتل ہو چکے تھے۔ اس پر عبدالرحمان نے کہا" اب بخدا عرب میں نہ تو آپ کے حکم کا کوئی ذکر ہوگا، نہ آپ کی اصابت رائے قابل تسلیم رہی، آپ نے ایسے آدمیوں کو قتل کیا جن کو قید کر کے آپ کے پاس بھیجا گیا تھا۔ اور وہ مسلمان تھے۔

جب اس کی اطلاع زوجہ رسول کو ہوئی تو انھوں نے کہا" اگر امیر شام کو احساس ہوتا کہ اہل کوفہ میں کچھ بھی جرأت وہمت ہے تو وہ کبھی حجر اور ان کے اصحاب کو گرفتار کرانے اور قتل کرنے کی جرأت نہ کرتا۔"

حسن بصری کو جب حجر اور ان کے ساتھیوں کے قتل کا حال معلوم ہوا تو پوچھا کہ کیا ان پر نماز جنازہ پڑھی گئی، کفن دیا گیا، اور قبلہ رخ لاش رکھی گئی۔ معلوم ہوا کہ یہ سب کیا گیا۔ تو حسن نے کہا بخدا حجت ان کی تمام ہوگئی۔ (مطلب یہ تھا کہ جب ان تمام احکام کا انجام دینا لاش کے مسلمان ہونے کو ثابت کرتا ہے تو پھر ان کا خون مباح کیسے ہوگیا۔)

اس کے علاوہ اور بھی بے گناہ افراد قتل کئے گئے، جن کی عظمت کے مسلمان قائل تھے۔ جیسے عمرو بن الحمق الخزاعی جو بزرگ شخص تھے اور پیغمبرؐ نے انھیں سلام کہلوایا تھا اس لئے بلند مرتبہ انسان سمجھے جاتے تھے۔ ان کو گرفتار کیا گیا اور ان پر 9 نیزے کے وار کئے گئے جبکہ وہ ایک یا دو زخم میں ہی جان بحق تسلیم ہو چکے تھے۔

شامی حکومت نے اپنے خوف وڈر کو لوگوں کے دلوں پر مسلط کرنے کیلئے ظلم وبربریت کی ایسی تیغ چلائی جس نے انسانی اجسام کو قتل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے احساسات وحمیت کو بھی قطع کردیا تھا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے ان زیادتیوں پر سرگوشیاں تک بند کردیں۔

اب جو خدا ترس افراد تھے ان کیلئے زندگی موت سے بدتر ہوگئی۔ چنانچہ ربیع بن زیاد حارثی نے جو خراسان کے حاکم تھے حجر بن عدی کے قتل ہونے کا اور مسلمانوں کی بے حسی کا تذکرہ کیا ور پھر جمعہ کے دن مسجد میں آکر حاضرین سے کہا ایہاالناس (اے لوگو) میں زندگی سے عاجز ہو چکا ہوں ، اب میں ایک دعا مانگتا ہوں تم سب آمین کہنا۔ اس کے بعد ہاتھ اٹھائے اور کہا" خداوندا اگر ربیع کے لئے تیرے نزدیک کچھ بہتری ہے تو جلد اس کی روح قبض فرمالے۔ اس کے بعد مسجد سے باہر نکلے کچھ دور نہ گئے تھے کہ زمین پر گرے اور خدا کے نزدیک اپنے بہتر ہونے کو ثابت کردیا۔

ان تمام روایات سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اب مسلمانوں کے ضمیر مردہ ہوگئے تھے، ایثار و قربانی کا جذبہ ختم ہو چکا تھا، جرأت وہمت مفقود ہو چلی تھی، شرم وحیا اب باقی نہ رہی تھی، ایمان وایقان نظر نہ آتا تھا۔ غرض کہ حکومت شام نے اسلام کو مٹانے کی خاطر جو چال چلی تھی وہ کامیاب ہوتی نظر آرہی تھی۔

اب اسلام کی بقاء کے لئے مسلمانوں کے مردہ ضمیروں کو زندہ کرنا اشد ضروری ہوگیا تھا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب انسانی فکر وخیالات منجمد ہوجاتے ہیں تو ان کو حق وصداقت کے پیکر میں ڈھالنے کے لئے ایک ایسے غیر معمولی واقعہ کی ضرورت ہوتی ہے جو ذہنی تخیلات میں ہیجان برپا کردے۔ جس کے بعد عام خلقت انسانی کی قوت احساس بیدار ہوجائے

لہٰذا اب حسینؑ کو کربلا کے میدان میں ایسی قربانی پیش کرنا تھی جو اس سے قبل مشاہدے میں نہ آئی ہو۔ ایسے صبر کی مثال قائم کرنا تھی جس کا تذکرہ اب تک نہ ہوا ہو ۔ اور اس قربانی سے حسینؑ کا مقصد ایک ایسی عام بیداری پیدا کرنا تھا جس کے بعد فقط طاقت واقتدار کو حق نہ سمجھا جائے بلکہ اصل حق کو حق سمجھا جائے۔ اور اس پر عمل کیا جائے۔

حسینؑ اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوئے اس کا آغاز کربلا کے میدان ہی سے ہوگیا تھا۔ سب سے پہلے حسینؑ کے صبر واستقلال سے متاثر ہو کر اپنے ضمیر کو زندہ کرنے والا شخص یزیدی فوج کا ایک اعلیٰ منصب افسر حر بن یزید ریاحی تھا۔ جس نے اپنی جان اسلام کی بقا کے لئے قربان کی۔

اب شہادت کے بعد مقصد حسینؑ (عام بیداری) میں توسیع ہوئی اور دھیرے دھیرے لوگوں میں ظلم وزیادتی کے خلاف آواز بلند کرنے کی ہمت وجرأت پیدا ہوئی۔ چنانچہ ایک زمانہ قبل از شہادت حسینؑ کا تھا کہ جب دربار حکومت میں حسینؑ کا نام عزت سے لینا محال تھا۔ اور اب قربانی حسینؑ کے بعد زمانے نے یوں کروٹ لی کہ جیسے ہی ابن زیاد نے فاتحانہ انداز میں یہ سوچتے ہوئے کہ میں نے حسینؑ کو قتل کر کے ان کے مقصد کو مٹا دیا ہے سر حسینؑ کے ساتھ بے ادبی کی تو فوراً دربار کے سناٹے میں بوڑھے صحابی زید بن ارقم کی آواز احتجاج نے حسینی مقصد کی کامیابی کا مژدہ سناتے ہوئے ابن زیاد کی اس قبیح حرکت پر اسے ذلیل کیا۔

مقصد حسینؑ (عام بیداری) کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوا اور 65 ہجری میں اس مقصد نے ایک لشکر کی شکل اختیار کر کے ظالموں کے خلاف اپنی کمر کس لی۔ اور اس طرح حسینؑ نے انسانی قلب وضمیر میں ظلم کے خلاف قوت احتجاج کو دوبارہ زندہ کردیا اور آج جہاں بھی ظلم کے خلاف آواز بلند کی جارہی ہے وہ قربانیٔ حسینؑ کا نتیجہ ہے۔ جس کی دلیل مختلف مذہب وملت سے تعلق رکھنے والے افراد کا امام حسینؑ کی قربانی سے متاثر ہو کر ظلم کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کرنا ہے۔ جیسے مہاتما گاندھی جی نے کہا کہ اگر ہندوستان ایک کامیاب ملک بننا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ امام حسینؑ کی راہ پر گامزن ہو۔ اور اگر میرے پاس مثل امام حسینؑ 72 افراد ہوتے تو میں ہندوستان کے لئے آزادی 24 گھنٹے میں حاصل کرلیتا۔ یہی نہیں بلکہ یہ بھی واضح کیا کہ میں نے ظلم کے خلاف فتح حاصل کرنا امام حسینؑ سے سیکھا۔ ایک عیسائی اسکالر انٹونیو بارانے امام حسینؑ سے اپنی عقیدت کا یوں اظہار کیا کہ

If Husain was one of us, we'-: would have put up a flag and a minarit for him in every part of the earth and called tha people to ''christianity.

یعنی اگر امام حسینؑ ہم میں سے ہوتے تو ہم پوری دنیا میں ان کے پرچم کو سربلند کرتے ۔ اور عوام الناس کو عیسائیت کی طرف دعوت دیتے۔

مختلف مذاہب کی یہ خواہش کہ کاش حسینؑ ہم میں سے ہوتے عام سطح پر ان کی قربانی کی عظمت وجلالت کی مظہر ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ان اقوال سے مقصد حسینؑ (عام بیداری) کا کلی طور سے کامیاب ہونا بھی ثابت ہے۔

اب جب کہ ہم پر مقصد حسینؑ (عام بیداری) واضح ہو چکا ہے تو یہ ہمارا عینی فرض ہے کہ ہم اس کو فروغ دیں۔ اور عزائے حسینؑ میں ایسی روش اختیار کریں جس کے ذریعہ انسانوں میں یہ مقصد عام ہو۔

☆☆☆☆☆

مالک، پبلشر، پرنٹر و ایڈیٹر تقدیس فاطمہ رضوی نے گروپ 5 پبلی کیشن 55 بی۔ وزیر حسن روڈ، لکھنؤ سے چھپوا کر پہلی منزل مسجد نور محل ساکیت پلی نرہی، لکھنؤ سے شائع کیا۔ ریزیڈنٹ ایڈیٹر: ڈاکٹر ہارون رشید
Proprietor, Publisher, Printer and Editor, Taqdees Fatima Rizvi printed at Group 5 Publication, 55B, Wazir Hasan Road, Lucknow, and published from Masjid Noor Mahal, First Floor,
Saket Palli Narhi, Lucknow. , Resident Editor: Dr. Haroon Rasheed, avadhnama@gmail.com, Ph:0522-3506829, 9335135181

کربلا میں شہید ہونے والے کمسن بچے

مولانا ناظم علی خیرآبادواعظ

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی وفات حسرت آیات کے بعد ابوجہلان اغراض ، ابو مھبان مادیت، ابناء حکومت فرزندان نفاق ،کفر اور ابوسفیان جاہلیت نے اپنی دلی پوشیدہ خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے نت نئی فریب کاریاں اور مکاریاں پیغام خداوند عالم اور سیرت وکردار اور فرمودات پیغمبر اکرمؐ اور اسلام کے اصول وقوانین کو مٹانے اور دور جاہلیت کی بتاہ کن امور کو زندہ کرنے کی راہ میں نہایت زور و شور سے استعمال کرنے میں مصروف ہوگئے۔ رسول اکرم ﷺ کے سچے جانشین محافظ قرآن وسیرت مرسل اعظم ﷺ ،حضرت امیر المومنین علیؑ کی عدوات کی راہ میں ہمہ جہت مصروف ہوگئے۔ سقیفائی خود ساختہ خلافت ، نامزد مملکت اور خود رائی کے ذریعہ شوری مملکت سے لے کر غاصبانہ آمریت ،شامی سلطنت اور یزیدی درندگی اور بربریت تک پیہم دین خدا کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی ہر ترکیب استعمال کی ،ظلم وجور فتنہ وفساد کے بازار گرم کئے ،انسانیت کے خرمن حیات کو جلانے کے لئے مکر وفریب کے تمام اسلحے کام میں لائے ،طرفہ ستم یہ تھا کہ یہ سارے کام زبانوں پر کلمہ اسلام جاری کرنے والے مسلمان ہونے کے دعویدار اسلام کے خلاف کر رہے تھے۔ چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا، اند مسلمان” نام نہاد خلفا سے لے کر سفیانیت اور امویت کے شامی میر کارواں تک سب کے سب فرد کو مسلمان کہتے تھے زبان سے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتے تھے۔ رب کائنات کی بارگاہ میں ظاہری طور پر پیشانی بھی خم کرتے تھے اسلام کی رٹ لگاتے تھے اور حقیقت اسلام کو پامال کرنے میں محو تھے۔ زبان پر اللہ اکبر نعرہ تھا۔ دل میں زمانہ کے لات وعزی اور ہبل کے روبرو خم ہونے میں ہر جہت مشغول تھے ،گزرے زمانہ کے ساتھ کفر ونفاق کی جرأتیں اور جسارتیں اتنی آگے بڑھ گئی تھیں کہ یزید بن معاویہ بن ابوسفیان نہ صرف حکومت پر غاصبانہ قبضہ کیا بلکہ آباؤ اجداد کی اسلام کے خلاف پرورش کردہ تمام خلافتوں ،گندگیوں اور نفرتوں کو محض ایک شعر میں اگل کر رکھ دیا۔

لعبت هاشم بالملك فلا
خبر جاء ولا وحی نزل

بنی ہاشم نے سلطنت کا ایک کھیل کھیلا تھا نہ کوئی خبر آئی نہ وحی نازل ہوئی۔ (یعنی اسلام رسالت اور پیغام الٰہی کا کھلم کھلا انکار کردیا)

ایسے زمانہ میں جب اسلام کی کشتی ،الٰہی پیغام اور مرسل اعظمؐ کی سیرت، ظلم وجور وفتنہ وفساد کے دریا میں ہچکولے کھا رہی تھی کہ یزید نے حکومت پر بیٹھتے ہی فرزند رسول الثقلین وارث دین خدا حضرت امام حسینؑ سے بیعت طلب کر لی اپنے گورنر ولید کو مدینہ میں خط لکھا کہ امام حسینؑ سے بیعت لو اور اگر بیعت نہ کریں تو سر قلم کردو۔ امام حسینؑ نے ولید کے دربار میں بلا کر یزید کا خط سنایا امام حسینؑ نے انکار بیعت کیا، یزید اور اس کے مال و دولت درہم و دینار کی چمک دمک میں زندگی گزارنے والے افراد نے یزید کے حکم سے مظالم کا دائرہ وسیع کیا، مدینہ منورہ کی حرمت وعزت کو برباد کرنا چاہتا تھا امام حسینؑ نے اس کی آبرو کا تحفظ کرتے ہوئے اسلام کو بچانے کے لئے مکہ معظّمہ کی جانب اپنے اعزہ واقرباء اور مددگاروں کے ساتھ کوچ کیا اور جب یزیدی ہرکاروں نے عظمت وعزت مکہ معظّمہ کو بھی برباد کرنے کی سوچ لی تو امامؑ نے کوفہ کا قصد کیا۔ لیکن یزید کے ہمنواؤں نے کربلا کی جانب سفر کرنے پر آمادہ کردیا۔

تاریخ کے صفحات پر امام حسینؑ کا یہ جملہ رقم ہے انی لا تبایع مثلی مثلہ میرے بھیا (ہادی رہنما معصوم) یزید جیسے (بدکردار، بے ایمان، اسلام ودین سے دور تکبیر وتہلیل وتسبیح کا قاتل) کی بیعت نہیں کرے گا۔ حقیقت میں امام حسینؑ نے اس ایک جملہ کے ذریعہ مکمل تاریخ حق و باطل، وہادیان اسلام اور ان کے امراء کی بیان کردی ہے کہ حسینؑ آدمؑ سے خاتم الانبیاء تک کے وارث ہیں اور یزید فرعون و ہامان ونمرود وشداد ابولہب وابوجہل ،سفیان کا وارث اور آمریت کا نمائندہ ہے۔ جو دین اسلام کو مٹانا چاہتا ہے ایسے موقع پر دین کے تحفظ کے لئے حکمت وموعظت کے موثر ترین طریقہ کو اختیار کرتے ہوئے غافل اور دولت مادیت کے نشہ میں پڑی ہوئی قوم کو نکالنے کے لئے جہاد کی راہ پر گامزن امام حسینؑ نے ایسے باوفا اصحاب کو ساتھ لیا جن کی قربانیوں نے اسلام کو ہمیشہ کے لئے بچالیا۔ ایسے حالات میں تحفظ و بقاء پیغام الٰہی دین اسلام کے لئے جوانوں، سن رسیدہ، نوجوانوں، مردوں اور عورتوں کے ساتھ کچھ کمسن بچوں کی بھی ضرورت تھی تا کہ ان کی قربانی کے ساتھ اسلام کے قوانین اصول و فروع کی یاد تازہ ہوتی رہے۔ مصلحت الٰہی کے تحت فرمایغانہ ہونے والے مرد وعورتیں اور بچے اس واقعہ کا پیغام دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہونچاتے رہیں گے اور دنیا اس سے سبق حاصل کرتی رہے گی۔

کربلا کا واقعہ دس محرم ۶۱ھ میں ہوا، امام حسینؑ نے بقاء اسلام کے لئے الہام ربانی کے ذریعہ بخوبی پہچان لیا تھا۔ کہ قربانی لازم ہوگئی سن رسیدہ جوان اور بچوں تک کی قربانی پیش کرنا ضروری ہے اور باقی ماندہ افراد کی اسیری بھی لازم ہے۔ امام حسینؑ نے انتظام کیا کیوں کہ آپؑ نے اپنے قیام کا مقصد اس طرح بیان کیا تھا میں اپنے جد کی امت کی اصلاح کے لئے نکلا ہوں۔ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہتا ہوں میں اپنے بعد رسول خداؐ اور والد بزرگوار کی سیرت پر چلنا چاہتا ہوں اگر لوگوں نے مان لیا تو ٹھیک ہے ورنہ امر خدا کے علاوہ ہے۔

چنانچہ امام حسینؑ نے اعلائے کلمہ حق ،احقاق حق ،ابطال باطل، اثبات حقانیت وصداقت، نفی و کذب وافترا کے لئے اپنے اصحاب و انصار اور اعزہ سمیت کربلا کے میدان میں قدم رکھا ساٹھ ہزار درہم میں زمین خریدی اب یہ زمین امامؑ کی ملکیت تھی اور یزیدی فوج ان کی ملکیت والی زمین میں آکر ظلم وستم کا مظاہرہ کررہی تھی، آب وغذا بند کیا اور اس حد تک روح فرور مظالم کئے جن کو مکمل طور پر لکھنے اور بیان کرنے سے زبان وقلم عاجز ہیں۔ ان کے سننے والے جب برداشت نہیں کر پاتے تو جن پر مظالم ڈھائے گئے ہوں گے انہوں نے کیسے برداشت کیا ہوگا۔

امام حسینؑ کے اس قافلہ حق وصداقت میں نوجوانوں اور بچوں کی تعداد بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ تاریخ ومقاتل کی کتابوں میں نابالغ بچوں کی تعداد میں قدرے اختلاف ضرور پایا جاتا ہے اور تمام کمسن قربانیوں کا مفصل تذکرہ نہیں ملتا ہے۔ کچھ بچوں کا صرف وجود واقعہ کربلا میں ملتا ہے ان کی قربانی کا ذکر نہیں ہے اور کچھ بچوں کی قربانی کا اجمالی ذکر ملا ہے۔ تاریخ طبری ، ارشاد شیخ مفید، کتاب الفتوح ابن اعثم کوفی جو تیسری صدی ہجری میں لکھی گئی ہے اس میں ۳۰ر بچوں کی تعداد درج ہے جو واقعہ کربلا میں موجود تھے لیکن ان سب کی قربانی کے حالات کا تذکرہ یا تو کسی حد تک اجمالی ملتا ہے یا صرف نام کا ذکر آ گیا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قانون اسلام یہ ہے کہ تمام تکالیف شرعیہ کا نفاذ بالغ و عاقل پر ہوتا ہے جیسے نماز روزہ وغیرہ انہیں واجبات میں سے ایک واجب جہاد بھی ہے تو کیا نابالغ بچوں اور کمسن افراد پر بھی جہاد واجب تھا کہ نابالغ افراد نے بھی واقعہ کربلا میں قربانی پیش کی۔ اس سلسلے میں دو باتوں پر غور کرنا ضروری ہے پہلی بات اسلامی احکام پر عمل کرنے کا ہے جو یقیناً بالغ وعاقل پر واجب ہے۔ دوسری بات خود اسلام کی بقاء وعدم بقا کی ہے۔ واقعہ کربلا میں دونوں امور کی جانب توجہ کی گئی ہے بالغ وعاقل پر واجبات پر عمل در آمد کرنے کا بھی ہے کہ جو حکم الٰہی امامؑ کی جانب سے ہے اس پر اصحاب کو عمل کرنا واجب ہے اور دوسری جانب اس پر بھی نظر ہے کہ یزیدی کوششوں اور فریب کاریوں کا نتیجہ میں اسلام کے ختم ہونے کا خطرہ بھی درپیش تھا تو اس کو باقی رکھنے کی سعی کرنا بالغ و نابالغ پر ضروری ہوجاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے اگر ظالم دشمن کسی کے گھر پر حملہ آور ہوجائے اور گھر والوں سے چھین کر قبضہ کرنا چاہتا ہو تو گھر کے تمام چھوٹے بڑے افراد پر اس کو روکنا ہر طرح کی بازی لگا کر بچانا لازم ہوجاتا ہے۔ اسلام خداوند عالم کا دین تھا جسے آخری رسول اکرمؐ نے ہدایت انسانی اور سعادت مندی کے لئے پیش کیا تھا جسے حضرت علیؑ اور ان کے بعد کے ائمہ طاہرینؑ نے حفاظت کر کے پھیلایا تھا۔ یزید اور اس کے اسلاف نے مٹانے کی ٹھان لی تھی اس نے اپنے زور وزبردستی ظلم وجور کے ذریعہ جڑ سے اکھاڑنے کی ترکیبیں استعمال کی تھی تو نواسہ رسولؐ حضرت امام حسینؑ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کے تحفظ اور بقا کے لئے ہر قسم کی قربانی پیش کی۔ اسلام محمدؐ وآل محمدؑ کی زیر نظارت وحمایت پروان چڑھا تھا تو اس کی بقاء کے بھی یہی ذمہ دار تھے۔ تو اس کے لئے چھوٹی بڑی ساری قربانی پیش کی۔ نیز الٰہی محضر نامہ شہادت جو الہامی طریقہ اور نبوی سیرت کے ذریعہ امام حسینؑ تک پہونچا تھا اس کے مطابق نابالغ افراد کی بھی قربانی پیش کرنا تھی اس کی مصلحت تو خداوند عالم ہی جانتا تھا لیکن قربانی کے بعد کے اثرات ونتائج نے واضح کردیا کہ کن اجزاء کی قربانی نے بقاء اسلام کی دیواروں کو مستحکم کردیا کہ ظالم طاقتوں میں اس کو گرانے کی ہمت نہ باقی رہی۔

غالباً انہیں مذکورہ امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے فاضل مصنف نے اپنی کتاب مأتین فی مقتل الحسین جلد اول ص ۲۲۲ پر تحریر کیا ہے۔

قد شرح الجهاد فی واقعة علی الصبیان مثل عون و محمد و غیرهم بل علی الاماجر کعبة اللّٰه بن الحسن روحی له الفداء

اس واقعہ میں بچوں پر بھی جہاد واجب تھا جیسے عون ومحمد وغیرہ بلکہ ان سے بھی کمسن بچے جیسے عبد اللہ بن حسن کربلا کے واقعہ میں شہید ہوجانے والے، شریک ہونے والے کمسن بچے شریعت اسلام کے اعتقاد سے چاہے بلوغ کی طرف نہ پہونچے ہوں لیکن ان کی عقل و فکر، رشد وتمیز حق و باطل کے درمیان امتیاز قائم کرنے کی صلاحیت میں کوئی کمی نہ تھی جس کا اندازہ ان کے میدان میں رجز کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ محمد بن عبد اللہ بن جعفر طیار رجز جو تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے وہ کہتے ہیں:

لشکوا الی الله من العدوان
فقال القوم فی التردی عمیان
قد ترکوا معالم القرآن
ومحکم الفتن یلی و تبیان
واظهر والکفر مع الطغیان

میں ان اشقیاء کے ظلم وستم کی خدا سے شکایت کرتا ہوں کہ جو گمراہی کی بنا پر کور باطن ہو چکے ہیں جنہوں نے معالم قرآن تنزیل و تبیین کو ترک کردیا اور جنہوں نے کفر کو طغیانیوں کے ساتھ ظاہر کیا۔ (بحار الانوار جلد ۱۰، ص ۲۴۴، ناسخ التواریخ جلد ۲، ۳۲۱)

شریعت اسلام کے قانون کے اعتبار سے نابالغ اور کمسن بچے جو درجہ شہادت پر کربلا کے واقعہ میں فائز ہوئے ان کے اسمائے گرامی اور مختصر حالات درج کئے جارہے ہیں:

(۱) **جناب قاسم بن امام حسن علیہ السلام**: آپ کی عمر زیادہ سے زیادہ ۱۴ر سال تھی ،صاحب ناسخ التواریخ نے تحریر کیا ہے: قاسم باتفاق علماء سیر حدود تکلیف راہ ملک و شرف نبود اگر چہ من بندہ این خبر را استوار نمی دارم لکن در تقویت ضرو ساحی قاسم می لگارم که در تذکرہ الائمہ سطور است کہ قاسم دریہم طف نہ سالہ بود۔

صاحب مقتل ابومخنف نے ان کی عمر ۱۴ر سال لکھی ہے۔ (مقتل ابومخنف ص ۲۵)

اور صاحب المعیدن العبری نے ص ۱۶۱ پر تحریر کیا ہے:

وکان یوم عاشوراء عمر القاسم ثلاثة عشر سنة

یعنی روز عاشور قاسم کی عمر ۱۳ر سال تھی۔ جناب قاسمؑ نے امام حسینؑ سے مسلسل جنگ کے لئے اجازت طلب کی اور بار بار اصرار کے نتیجہ میں اجازت دی۔ میدان جنگ میں شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمنان اسلام کو فی النار کیا اور آخر کار جب دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر کر حملہ کیا تو آپ کی شہادت ہوئی جب امام حسینؑ نے قاسمؑ کی آواز سنی تو میدان کی جانب چلے دشمنوں نے فرار کرنا شروع کیا۔ اس درمیان جناب قاسمؑ کا لاشہ پامال ہوگیا۔ امام حسینؑ یہ کہتے ہوئے جارہے تھے تیرے چچا پر بہت دشوار ہے کہ تو اس کو مدد کرنے کے لئے پکارے اور وہ مدد نہ کرسکے آپؑ نے لاشہ کو اٹھایا اور گنج شہیداں میں رکھ دیا۔

(۲) **عبد اللہ بن امام حسن** علیہ السلام: آپ کی عمر ۱۱ر سال تھی، جب امام حسینؑ میدان جنگ میں گھوڑے سے زمین پر آچکے تھے تو جناب عبد اللہ نے خود کو تیزی سے میدان میں پہونچایا اور امامؑ کا دفاع کرتے ہوئے دشمنوں کو قتل کیا اور آخر کار شہادت سے ہم کنار ہوگئے۔

(۳) **جناب عبد اللہ بن مسلم بن عقیل**: آپ کی والدہ جناب رقیہ بنت حضرت علیؑ تھیں۔ آپ کے دو فرزند تھے ایک کا نام عبد اللہ اور دوسرے کا نام محمد تھا۔ صاحب ریاحین الشریعہ تحریر کرتے ہیں کہ یہ دونوں فرزند کربلا میں شہید ہوئے۔ (جلد ۴ ص ۱۰۰) جناب عبد اللہ کی عمر چودہ سال تھی اور جناب محمد کی عمر بارہ یا تیرہ سال تھی۔ (تنقیح المقال مامقانی جلد ۳ ص ۱۸۳)

محمد بن جریر طبری کا بیان ہے کہ جب جناب مسلم کی شہادت کی خبر امام حسینؑ نے سنی تو آپ نہایت غمگین ہوئے اور اس اظہار خصوصیت کے ساتھ فرزندان جناب مسلم کے سامنے کہا۔ تم لوگوں کے لئے باپ کی شہادت کافی ہے لہٰذا تم لوگ چلے جاؤ۔ لیکن جوش جہاد اور تمنائے شجاعت عبد اللہ ومحمد میں اس قدر تھا کہ انہوں نے کہا نہیں ایسا نہیں ہوسکتا ہم آپ کے قدموں پر جام شہادت نوش کرنے کی سعادت سے محروم نہیں ہونا چاہتے کیا مدینہ جا کر لوگوں سے یہ کہہ دیں گے کہ ہم نے اپنے آقا کو نرغہ اعدا میں چھوڑ کر فرار اختیار کی۔۔۔۔ نہیں ہم اپنے اہل وعیال سمیت آپ کے قدموں پر جاں نثار کریں گے۔ (طبری جلد ۹ ص ۲۳۹)

جناب عبد اللہ نے تین حملے کئے بہت سے افراد کو قتل کیا جب عمرو بن صبیح نے تیر چلایا تو عبد اللہ نے اپنا ہاتھ پیشانی کی طرف کرلیا تیر میں اتنا زور تھا کہ ہاتھ اور پیشانی کو چھید گیا پھر دوسرا تیر آیا جو عبد اللہ کے سینہ میں پیوست ہوگیا۔ (طبری جلد ۷ ص ۱۷۹)

(۴) **محمد بن مسلم**: آپ نے جب بھائی کو خاک و خون میں تڑپتا ہوا دیکھا تو جہاد کے لئے میدان میں آئے اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ آپ کا قاتل ابو جرہم ازدی تھا۔ آپ کی عمر بارہ یا تیرہ برس کی تھی۔ (تنقیح المقال جلد ۳ ص ۱۸۴)

(۵) **عمرو بن جنادہ انصاری**: آپ کا سن نو یا گیارہ برس کا تھا جب آپ کے پدر بزرگوار شہید ہوگئے امامؑ نے فرمایا جب انہوں نے اجازت جہاد چاہی کہ شاید تمہاری ماں میدان میں جانے پر راضی نہ ہوں۔ تو جواب میں کہا کہ میری ماں نے ہی حکم دیا ہے کہ میدان میں جاؤں۔ انہوں نے ہی لباس جنگ پہنایا ہے۔ اجازت پا کر میدان میں گئے نہایت بہادری سے جنگ کی آخر دشمنوں نے شہید کردیا۔

(۶) **محمد بن عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب**: جہاد کربلا میں جناب عبد اللہ بن جعفر کے دو بیٹوں کے نام مشہور طور پر ملتے ہیں ایک نام محمد اور دوسرا نام عون تھا۔ لیکن علامہ ابن شہر آشوب نے ان کے تین فرزندان کا تذکرہ کیا ہے محمد بن عبد اللہ، عون بن عبد اللہ اور عبید اللہ بن عبد اللہ ان میں سے دو تو درجہ شہادت پر فائز ہوئے یعنی عون ومحمد، ان دونوں کی ماؤں کے بارے میں تاریخی اختلاف ضرور پایا جاتا ہے عون تو بہرحال جناب زینبؑ کے فرزند تھے البتہ محمد کے بارے میں ملتا ہے کہ جناب عبد اللہ بن جعفر نے اپنے اس فرزند کو جناب زینبؑ کے حوالہ کیا تھا غالباً اس لیے کہ وہ عبد اللہ کی نمائندگی کریں۔ علامہ مامقانی نے تحریر کیا ہے۔

ان بعض الفضلاء زعم ان محمدا امه زینب بنت علی امیر المومنین و هو ممایابی عنه التاریخ انما ابعد عون۔ بعض فضلاء کا گمان یہ ہے کہ محمد جناب زینبؑ کے فرزند تھے جبکہ تاریخ اس سے انکار کرتی ہے جبکہ آپ کے فرزند تو بس عون تھے۔ یہی بات شیخ عباس قمی منتہی الامال جلد اول میں درج کی ہے۔ نیز صاحب مقاتل الطالبین نے لکھا ہے کہ عون بن عبد اللہ کی والدہ جناب زینبؑ تھیں۔ جناب محمد بن عبد اللہ کی والدہ کا نام خوصا بنت حفص تھا (نفس المھموم ص ۱۴۶)

(۷) **عون بن عبد اللہ بن جعفر طیار**: آپ کی والدہ جناب زینبؑ تھیں۔ محمد بن عبد اللہ، اور عون بن عبد اللہ دونوں امامؑ کی اجازت سے میدان میں آئے شجاعانہ جنگ کی دشمنوں کو قتل کیا مگر اسلام دشمن یزیدیوں نے یکبارگی کثرت فوج کے ساتھ حملہ کیا اور دونوں بھائیوں کو قتل کردیا۔

(۸) **جناب علی اصغر** علیہ السلام **بن امام حسین** علیہ السلام: آپ کی والدہ جناب ربابؑ تھیں۔ ان کی عمر عموی طور پر چھ ماہ یا کچھ زیادہ تحریر کی جاتی ہے جب امام حسینؑ نے آواز استغاثہ بلند کی ھل من ناصر ینصرنا۔۔۔۔ بچہ نے آواز سنی تو خود کو جھولے سے گرادیا ماں نے گود میں لیا خیمہ سے رونے کی آواز بلند ہوئی۔ پیاس سے کمہلایا ہوا بچہ تڑپ رہا تھا امام حسینؑ میدان سے خیمہ کی جانب آئے بچہ کو لے کر میدان میں آئے دشمنوں کو بچہ کی حالت دکھائی طلب آب کیا۔ جواب میں حرملہ نے عمر سعد کے حکم سے تین بھالے کا تیر چلایا جس سے بچہ شہید ہوگیا۔

(۹) **عبد اللہ بن حسن** علیہ السلام: یہ امام حسینؑ کے فرزند تھے جو کربلا میں شہید ہوئے ان کا نام عبد اللہ تھا ظاہراً یہ جناب علی اصغرؑ کے بعد سب سے چھوٹے شہید تھے۔ کتابوں میں ان کا سن نہیں بیان کیا گیا ہے، بعض لوگوں نے نو دس برس کا سن لکھا ہے جب کوفہ کی فوج نے امام حسینؑ کو آخری لحات میں گھیر لیا تو اس بچہ نے کوشش کی کہ خود کو امامؑ تک پہونچادے۔ جناب زینبؑ نے روکنا چاہا لیکن وہ جلدی دوڑتا ہوا امام تک پہونچا اور شہید کردیا گیا۔ ابحر بن کعب نے تلوار امام حسینؑ کی جانب چلائی بچہ نے اپنے ہاتھ کو سپر بنایا ہاتھ کٹ گیا۔ امام حسینؑ نے اسے اپنے سینہ سے لگایا اور گنج شہیداں میں پہونچا دیا۔

☆☆۔۔۔☆☆

باب الحوائج حضرت علی اصغرؑ

مولانا سید علی ہاشم عابدی

واقعہ کربلا کے سب سے کمسن مجاہد و شہید حضرت علی اصغر علیہ السلام معمار کربلا سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور حضرت رباب سلام اللہ علیہا کے فرزند تھے۔

روایات کے مطابق 28 رجب سن 60 ہجری کو امام حسین علیہ السلام اپنے اہل حرم اور خاص اصحاب کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے۔ امام عالی مقام کے سفر سے کچھ دن قبل جناب علی اصغر علیہ السلام کی مدینہ منورہ میں ولادت ہوئی اور چند دن کی عمر میں ہی آپ کاروان حسینی میں شامل ہوئے اور کربلا پہنچے۔

کربلا میں جب فوج شام نے پانی پر پابندی لگائی تو دوسرے شہیدوں اور اسیروں کی تشنگی میں آپؑ بھی شریک ہوئے۔ ظاہر ہے روز عاشورا جس نے جتنی جلدی جام شہادت نوش کیا اس کی تشنگی سیرابی میں بدل گئی اور جس کی شہادت جس قدر بعد میں ہوئی اسے اسی قدر مزید تشنگی کی اذیت برداشت کرنی پڑی۔ حضرت علی اصغر علیہ السلام کا شمار آخری شہداء میں ہوتا ہے تو آپؑ کی تشنگی بھی زیادہ دیر رہی۔

حضرت علی اصغر علیہ السلام اگر چہ واقعہ کربلا کے سب سے کم سن شہید اور مجاہد ہیں لیکن آپؑ کی شہادت نے مظلوم کربلا امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت اور حقانیت اور اسی طرح دشمنان اہل بیت کے ظلم وستم اور قساوت و سنگدلی کو دنیا پر ظاہر کردیا کہ بلا تفریق دین ومذہب اور بلا تفریق رنگ ونسل ہر وہ انسان جس کے سینے میں انسان کا دل ہے جب وہ آپؑ کی شہادت کو سنتا ہے تو وہ امام حسین علیہ السلام سے قریب ہوتا ہے اور یزید اور یزیدیت سے نفرت کرتا ہے۔

دنیا تصور نہیں کرسکتی کہ کوئی انسان اس کمسنی میں کسی کو کوئی درس دے سکتا ہے، لیکن سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے اس کمسن فرزند نے رہتی دنیا تک انسانوں کو وہ درس انسانیت وحریت دیا کہ اگر اس پر دنیا عمل کر لے تو سعادت مند اور خوش بخت ہوجائے۔ آپؑ کے عظیم دروس میں سے ایک درس غیرت ہے۔ چاہے وہ غیرت دینی ہو یا غیرت انسانی ہو۔

یہ غیرت ہی انسانیت کا خاصہ ہے، جس کے پاس غیرت نہیں اس کے پاس دین نہیں، جس کے پاس غیرت نہیں اس کے پاس انسانیت نہیں۔ وہ ظاہراً انسان تو ہے لیکن انسانیت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔

حضرت علی اصغر علیہ السلام نے رہتی دنیا تک غیرت کا درس دیا کہ تم چاہے جس سن وسال کے ہو تمہارے پاس غیرت ہونی چاہیے کہ اپنے امام وقت کو راضی وخوشنود کرلو اور ان کی ناراضگی اور غم واندوہ کا سبب نہ بنو۔

امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف نے زیارت ناحیہ مقدسہ میں آپؑ کو ان الفاظ سے سلام کیا۔ ”السَّلَامُ عَلَى ※ الرَّضِيعِ الصَّغِيرِ طفل شیرخوار پر سلام ہو۔

علی اصغر
علیہ السلام

باب الحوائج حضرت علی اصغر علیہ السلام عظیم علماء و فقہاء کے کلام میں

1. مرجع عالی قدر آیۃ اللہ العظمیٰ میرزا محمد حسن شیرازی رحمۃ اللہ علیہ مصائب اور مرثیہ پڑھنے والوں کو نصیحت فرماتے کہ جتنا ممکن ہو حضرت علی اصغر علیہ السلام کے مصائب بیان کریں، خصوصاً ایام محرم میں خطباء وذاکرین کو تاکید فرماتے کہ زیادہ سے زیادہ حضرت علی اصغر علیہ السلام کے مصائب بیان کریں۔ چونکہ مرحوم میرزائے شیرازی کا ماننا تھا کہ حضرت علی اصغر علیہ السلام امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت کی سند ہیں، اور ایسا کیوں نہ ہوتا کیونکہ حضرت علی اصغر علیہ السام نہ شمشیر اٹھا سکتے تھے، نہ کسی سے کچھ کہہ سکتے تھے اور نہ ہی اپنا دفاع کر سکتے تھے، اس سے بڑی اور کیا سند ہوگی کہ اس تاریک دنیا میں جو اپنی شہادت سے قیامت تک کے لئے اپنے والد کی مظلومیت کو واضح اور روشن کردے۔

2. آیۃ اللہ العظمیٰ میرزائے قمی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں نقل ہوا ہے کہ جب بھی آپ کسی مشکل یا پریشانی میں گرفتار ہوتے تو حضرت علی اصغر علیہ السلام سے توسل کرتے تھے، آپ محرم کے عشرہ اولی میں خطباء وذاکرین سے یہی مطالبہ کرتے کہ حضرت علی اصغر علیہ السلام کے مصائب بیان کریں۔

ایک خطیب نے آپ کی خدمت میں عرض کیا، آقا کربلا میں دوسرے شہداء بھی ہیں جنہوں نے اپنی جان قربان کر کے امام حسین علیہ السلام کی نصرت فرمائی، میرزای قمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جانتا ہوں لیکن باقی شہداء میں سے ہر ایک نے جنگ کی یا کم از کم خود کا دفاع کیا لیکن حضرت علی اصغر علیہ السلام اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتے تھے۔

3. مرجع تقلید آیۃ اللہ العظمیٰ گلپایگانی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مخصوص مصائب بیان کرنے والے جب بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس سے اندازہ ہو جاتا کہ آپ کو کوئی اہم مشکل یا حاجت درپیش ہے، کیونکہ وہ جب بھی مصائب بیان کرتے تو صرف حضرت علی اصغر علیہ السلام کے ہی مصائب بیان کرتے تھے۔

4. آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ محمد تقی بہجت رحمۃ اللہ علیہ زائرین کربلا کو نصیحت فرماتے کہ امام حسین علیہ السلام کے روضہ مبارک میں مختصر ہی سہی حضرت علی اصغر علیہ السلام کا ذکر مصیبت کریں۔

5. آیۃ اللہ العظمیٰ شاہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی اصغر علیہ السلام کے مصائب بیان کرنے کی بہت زیادہ تاکید فرماتے تھے، خود بھی مسجد میں شب جمعہ دعائے کمیل کے بعد حضرت علی اصغر علیہ السلام کا ذکر مصیبت فرماتے تھے۔

6. بانی حوزہ علمیہ قم آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ عبدالکریم حائری رحمۃ اللہ علیہ طلاب کو نصیحت کرتے کہ حضرت علی اصغر علیہ السلام کے مصائب پڑھیں، ان کا عقیدہ تھا کہ بہت سے مسائل اور مشکلات حضرت علی اصغر علیہ السلام سے توسل کے ذریعہ حل ہو سکتے ہیں۔ چونکہ انکا دستور تھا کہ ہر روز درس سے پہلے کوئی شاگرد مختصر مصائب بیان کرتا تھا، اس کے بعد آپ درس دیتے تھے۔ ایک بار آپ نے حکم دیا کہ اب آج سے صرف حضرت علی اصغر علیہ السلام کے ہی مصائب بیان ہوں جب تک کہ میں خود کچھ نہ کہوں۔ لہٰذا آپ کے حکم کے مطابق تقریباً 70 یا 80 دن حضرت علی اصغر علیہ السلام کے مصائب بیان ہوئے۔ کسی نے عرض کیا کہ آقا! اتنے دن سے صرف حضرت علی اصغر علیہ السلام کے ہی مصائب ہو رہے ہیں تو آپ نے فرمایا: پھر بھی کم بیان ہوا کیوں کہ یہ مصیبت بہت عظیم ہے۔

7. رہبر انقلاب آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی حسینی خامنہ ای دام ظلہ نے بیان فرمایا: آقای الٰہی قمشہ ای مرحوم نے مجھ سے خود بیان کیا کہ ان کے فرزند حسین آقا کمسنی، شیر خواری کے زمانے میں اس قدر مریض تھے کہ میں اس کی زندگی سے مایوس ہوگیا تھا، ہم نے نذر کی کہ اگر یہ بچہ صحت یاب ہوگیا تو امام حسین علیہ السلام کے لئے نظم کہیں گے، فکر میں تھے کہ کہاں سے شعر شروع کریں کہ ذہن میں حضرت علی اصغر علیہ السلام کی تشنگی کا خیال آیا تو سوچا اسی مصیبت کو نظم کریں گے، ساتھ ہی دیکھ رہا تھا کہ وہ بچہ آخری سانسیں لے رہا ہے تو خیال آیا کہ اس کی ماں یہ منظر نہ دیکھے لہٰذا انہیں چھت پر بھیج دیا کہ جاؤ دعا کرو ہم یہاں ہیں، چونکہ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ پانی اور دودھ اس کے لئے نقصان دہ ہے اس لئے یہ کئی دن کا بھوکا بھی تھا تو یہی سوچ کر کہ اب جب یہ ہم سے رخصت ہی ہو رہا ہے تو کم از کم پیاسا نہ جائے لہٰذا اس کے منہ میں چمچ سے پانی ڈالنے لگا چند قطرے پانی پڑے تو اس نے آنکھیں کھول دی تو میں نے اہلیہ کو آواز دی کہ آؤ بچے کو دودھ چاہیے وہ بھوکا ہے، اہلیہ یہ سمجھیں کہ شاید بچہ گزر گیا ہے یہ ہمیں اس طرح بلا رہے ہیں لیکن جب وہ آئیں تو دیکھا کہ بچہ بھوک سے گریہ کر رہا ہے اور اس کے بعد یہ بچہ صحتیاب ہوگیا اور انہوں نے وہ نظم بھی کہی۔

8. آیۃ اللہ حق شناس رحمۃ اللہ علیہ بھی لوگوں کو حضرت علی اصغر علیہ السلام کے مصائب بیان کرنے اور ان سے توسل کرنے کا حکم دیتے تھے۔

دیگر بہت سے علماء وفقہاء نے بیان فرمایا کہ جب بھی مشکل میں گرفتار ہوں تو حضرت علی اصغر علیہ السلام سے توسل کریں۔

خدایا! ہمیں اپنی ، اپنے رسول اور آل رسول علیہم السلام کی معرفت عطا فرما۔

☆☆☆☆☆

امام حسینؑ؛ مرکز انسانیت

مولانا سید رضا حسین رضوی

دس محرم سن/۶۱ ہجری کو امام حسین علیہ السلام نے دین اسلام کی حفاظت کے لیے اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کردی اور کشتی نجات کا حقیقی مفہوم واضح کر گئے۔ چودہ صدیاں بیت گئیں لیکن محرم آتے ہی پوی دنیا میں امام حسین علیہ السلام اور آپ کے جانثاروں کو نہایت ہی عقیدت واحترام سے یاد کیا جانے لگتا ہے۔ یہ ایک زندہ معجزہ ہے کہ صدیاں گزرجانے کے بعد بھی شہدائے کربلا کے تذکرے پر زمانے کی ضعیفی کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ تحریک عزاداری ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی چلی جارہی ہے۔ اس کی وجہ کربلا کا آفاقی پیغام اور امام حسین و جانثاران کربلا کا جاویدانہ کردار ہے۔ کربلا درحقیقت '**فاذکرونی اذکرکم**' کی تفسیر ہے۔ ذکر کربلا، انسانیت کی ضرورت ہے، یہاں مذہب وملت کی قید نہیں۔ آپ تاریخ کا مطالعہ فرمائیں تو واضح ہوگا کہ باب کربلا میں صرف مسلم ہی نہیں بلکہ غیر مسلم محققین نے امام حسین علیہ السلام کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ یہ سچائی ہے کہ

در حسینؑ پہ ملتے ہیں ہر خیال کے لوگ
یہ اتحاد کا مرکز ہے آدمی کے لیے

برصغیر کی تاریخ عزاداری میں ایسے محبان حسین علیہ السلام ملیں گے جنھوں نے مذہب وملت کی ڈیڑھ اینٹ دیوار سے بلند ہوکر کربلا کے شہیدوں کا غم منایا ہے۔ آج بھی ہندو پاک کے مختلف مقامات پر ہندو عزادار اور سنی المذہب حسینی دستے اپنے اپنے انداز میں محسن انسانیت کو خراج محبت پیش کرتے ہیں؛ تعزیہ داری اور نوحہ وسلام کا نذرانہ محبت پیش کرکے دنیا کو پیغام دے رہے ہیں کہ در حسین، انسانیت کے تحفظ کا در ہے۔ یہاں حر کی صورت آؤ، سردار جناں، چشم براہ منتظر ہیں۔ شہزادی کونین شفاعت کریں گی۔ یہاں قوم و ملت کا امتیاز نہیں۔ قدم بڑھاؤ، وہب کلبی بن جاؤ اور پیغام انسانیت سے اپنا دامن بھر لو۔ یہاں محبتیں، اطاعتیں اور انسانیت تقسیم کی جاتی ہیں۔ یہ روشن حقیقت ہے کہ کربلا میں انسانی وفاداری کی اعلیٰ مظاہرہ دیکھنے کو ملتا ہے جہاں اصحاب کو تاریکی شب میں جنت کی ضمانت کے ساتھ جانے کی اجازت دی جاتی ہے تو انسانیت کے ہیرے چمک اٹھے اور اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کرنے لگے۔ سعید بن عبداللہ عرض کرتے ہیں:

'خدا کی قسم! ہم (ہرگز بھی) آپ کو تنہا نہ چھوڑیں گے یہاں تک کہ اللہ جان لے کہ ہم نے پیغمبر خدا کی عدم موجودگی میں اس کی حرمت یعنی آپ کا پاس کیا۔ قسم بخدا! اگر مجھے علم ہوجائے کہ (اس راہ میں) میں قتل کیا جاؤں گا، پھر زندہ کیا جاؤں گا، پھر جلا دیا جاؤں گا اور پھر میرے وجود کے ذروں کو ہوا کے حوالہ کردیا جائے گا۔ اگر ستر دفعہ یہی عمل تکرار کیا جائے، پھر بھی میں آپ کو تنہا نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ آپ کی رکاب میں قتل کردیا جاؤں۔'

(تاریخ طبری، محمد بن جریر طبری، ج/۴، ص/۳۱۸۔ خوارزمی، موفق بن احمد، مقتل الحسین علیہ السلام، ج/۱، ص/۳۵۰۔ لہوف، علی بن موسی ابن طاووس، ج/۱، ص/۱۵۳۔ ابصار العین، محمد بن طاہر سماوی، ج/۱، ص/۲۱۷۔ الاقبال بالاعمال الحسنہ، علی بن موسی ابن طاووس، ج/۳، ص/۷۷۔ مقتل الحسین علیہ السلام، عبدالرزاق موسوی مقرم، ج/۱، ص/۲۱۳۔ ۲۱۴۔ مناقب آل ابی طالب، محمد بن علی ابن شہرآشوب، ج/۴، ص/۱۰۷۔ انساب الاشراف، احمد بن یحیٰ بلاذری، ج/۳، ص/۱۸۵)

ایسے ہی اصحاب باوفا کے لیے امام نے فرمایا تھا: '**فَإِنِّي لَا أَعْلَمُ أَصْحَاباً أَوْفَى وَلَا خَيْراً مِنْ أَصْحَابِي**'

بے شک! میں اپنے اصحاب سے باوفا اور بہتر کسی اصحاب کو نہیں جانتا۔

(الارشاد، ج/۲ ص/۹۱)

شہدائے کربلا اگرچہ مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے مگر حسین علیہ السلام نے انہیں اتحاد کی تسبیح میں پرو کر ایک وجود بخش دیا۔ انہوں نے ہی بتایا کہ حسین، مرکز اتحاد ہیں۔ کربلا، عراق میں اربعین حسینی کے بین الاقوامی عزا میں 'الحسین یوحدنا' اور 'حب الحسین یجمعنا' کا ہیش ٹیگ چار دانگ عالم میں پیغام وحدت پہنچا رہا ہے۔ محبان حسین پیغام کربلا اور مقصد حسینی کی نشر واشاعت میں کوشاں ہیں۔ آپسی اختلاف کو اتحاد میں بدلنے کا بہترین راہ حل، در حسینؑ ہے۔ یہاں سے فطرس کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ حبیب ابن مظاہر کی حیات اسی در کی مرہون منت ہے۔

آج جو بین الاقوامی اتحاد کی راہیں کھلی ہوئی ہیں اور ہمارے درمیان میل ملاپ کے مراسم ہیں، ان میں واقعہ کربلا کا ایک نمایاں کردار ادا کررہا ہے۔ اردو ادب میں بین المذاہب اتحاد کی بقا میں امام حسین علیہ السلام کے مراثی آج بھی اہم رول ادا کررہے ہیں۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس راہ حسینی کی حفاظت میں کوشاں رہیں اور ہر قسم کے اختلاف سے اسے بچائیں۔ امام کی معرفت حاصل کریں اور آپ کے پیغام کو دنیا کے ہر حصہ تک پہنچائیں۔

(صدر ادارہ مقصد حسینی لکھنؤ)

واقعہ کربلا؛ شہروں کے انتخاب میں پوشیدہ حکمت عملیاں

عظمت علی

امام حسین علیہ السلام نے کربلا تک پہنچنے کے لیے مختلف راہوں کا انتخاب کیا۔ شہادت کا یہ سفر مدینہ سے شروع ہوتا ہے اور کربلا، عراق میں اختتام پذیر۔ امام نے شہر رسولؐ سے نکلتے وقت محمد حنفیہ سے ارشاد فرمایا تھا کہ:

'میں ظلم وفساد کے لیے نہیں بلکہ امت کی اصلاح کے لیے مدینہ چھوڑ رہا ہوں۔'

(بحارالانوار: جلد/۴۴، صفحہ/۳۲۹)

'میرا قدم نہ سلطنت کی لالچ میں اٹھا ہے اور نہ ہی مال دنیا کی حرص وہوس میں بلکہ میرے قیام کا مقصد دین کے آثار کو ان کی منزل تک پہنچانا ہے تاکہ مظلوم محفوظ رہیں اور معطل شرعی حدود قائم ہوجائیں۔'

(نہج البلاغہ: صفحہ/۲۵۳)

حاکم شام کی خبر مرگ عام ہوتے ہی یزید نے اپنی بیعت لینے کا سلسلہ تیز کردیا اور چند معتبر شخصیات بشمول امام حسین علیہ السلام سے بہر صورت بیعت لینے کی ٹھان لی اور امام نے بہانگ دہل انکار بیعت کردیا۔ امام نے خون ریزی سے بچنے کے لیے مدینہ کو خیر آباد کہہ دیا کیوں کہ آپ پیامبر امن ہیں جبکہ یزید اور اس کے بہی خواہ آپ کے خون کے پیاسے تھے۔ آپ نے مدینہ ترک کردیا چوں کہ جانی حملہ کی صورت میں اہل مدینہ آپ کا جانثارانہ دفاع نہیں کر سکتے تھے۔ وہ سطحی ذہنیت کے مالک تھے۔ سقیفہ بنی سعدہ میں جو کچھ ہوا ، وہ ان کے سطحی ذہن کی بہترین مثال ہے۔ انہوں نے جسے مسند خلافت پر دیکھا، اسے خلیفہ اسلام تسلیم کرلیا اور اہل بیت علیہم السلام کے غصب شدہ حقوق پر سوائے چند افراد کے کسی نے بھی حمایت نہیں کی۔

یزید کے برسر اقتدار آتے ہی حکومتی کارندوں نے اہل بیت علیہم السلام کے گھرانہ اور مدینہ پر اپنی نگاہیں تیز کردیں۔ اہل بیت علیہم السلام اور اصحاب کرام سے مطالبہ بیعت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اگر اہل بیت رسول اور مدینۃ الرسول سے تائید بیعت ہوجاتی ہے تو یزید کی شرعی حکومت کے جواز پر کوئی سوال نہیں اٹھا پاتا۔

امام نے ۲۸/رجب المرجب (بقول دیگر ۳/شعبان) ۶۰/ہجری کو مدینہ سے سفر آغاز کیا اور پانچ روز میں یعنی ۳/شعبان المعظم کو وارد مکہ ہوگئے۔ امام علیہ السلام مکہ معظمہ میں چار ماہ پانچ دن مقیم رہے۔ تبلیغ دین کے فرائض انجام دیتے رہے لیکن اس دوران اہل مکہ خواب غفلت کا شکار رہے۔ موسم حج میں ہزاروں (ہونے والے) حاجیوں کے سامنے سے مکہ سے نکل رہے ہیں مگر اس عظیم الشان اجتماع نے امام کے حق اور یزید کے خلاف کوئی نتیجہ خیز اقدام نہیں کیا۔ شاید مکہ کی اہل بیت علیہم السلام سے دیرینہ دشمنی رہی ہو۔ امام علی علیہ السلام نے مشرکین مکہ کا قلع قمع کیا تھا۔ امام حسین علیہ السلام اسی مردشجاع کے خاندان کے چشم وچراغ ہیں، اس لیے ان کا حریف ہونا ممکن ہے۔

امام کو شہر امن، مکہ میں خونریزی کا شدید خطرہ لاحق تھا۔ یزید نے اپنے خفیہ اہل کاروں کو حاجیوں کے لباس میں قاتل بنا کر مکہ روانہ کیا تھا۔ انہیں قتل امام پر مامور کیا گیا تھا۔ امام کو یہ بات ہرگز برداشت نہ تھی کہ شہر امن کا دامن کسی کے خون سے داغدار ہو، فرمایا: خدا کی قسم! مکہ سے ایک بالشت باہر قتل ہونا بہتر ہے بجائے اس کے کہ مکہ میں قتل کیا جاؤں۔'

كُلُّ اَرْضٍ
كَرْبَلَا

مکہ میں قیام کے دوران بصرہ ، یمن ، شام اور دیگر علاقے امام کی نظر میں ضرور تھے لیکن امام نے کوفہ کا انتخاب فرمایا کیوں کہ ان تمام علاقوں میں کوفہ ہی ایسی جگہ تھی جہاں سے ہزاروں کی تعداد میں مثبت خطوط آئے تھے۔ وہاں دفاع کی صورت میں جنگی ساز وسامان اور جنگ آزما افراد موجود تھے۔ اس لیے راہی کوفہ ہوگئے۔ شام اہل بیت علیہم السلام کے لیے بدترین علاقہ تھا کیوں کہ یہ دشمنان اہل بیت علیہم السلام کا مرکز تھا۔ یہاں ایک طویل عرصہ تک، سرکاری فرمان پر، امام علی علیہ السلام پر سب وشتم ہوتے رہے جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں امام کے خلاف بغض وکینہ گھر کرچکا تھا۔ یمن اور دیگر علاقہ جات سے مثبت اور خاطر خواہ حمایتی پیغام نہیں آئے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ آج شہر کوفہ کے بارے میں مثبت سے زیادہ منفی خیالات پائے جاتے ہیں جبکہ امام علی علیہ السلام کا مرکز حکومت بھی کوفہ ہی تھا۔ جب ہم سانحہ کربلا پر نگاہ ڈالتے ہیں تب بھی کوفہ کو غیر مثبت نظریہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ تاریخ میں کوفہ کا منفی کردار ہے۔ جب امام حسین علیہ السلام نے مکہ سے ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو عبد اللہ ابن جعفر، عبداللہ ابن عباس، عبداللہ بن مطیع، مسور بن مخرمہ اور محمد حنفیہ نے آپ کو عراق جانے سے منع کیا اور بعض نے امام علی علیہ السلام اور امام حسن علیہ السلام کے ساتھ رونما ہوئے مکر وفریب کا حوالہ بھی دیا۔ ابن عباس نے تو یہاں تک کہا کہ 'اگر مکہ سے نکلنے پر مصر ہیں تو یمن چلے جائیں۔ وہاں وادیاں اور محکم قلعہ ہیں اور وسیع سرزمین ہے۔ وہاں آپ اپنے مبلغوں کو بھی مختلف علاقوں میں بھیج سکتے ہیں۔

انتخاب کوفہ کی ایک واضح وجہ ان کے حمایت بھرے خطوط اور پیمان فداکاری تھے۔ حقیقت حال سے آگہی کے لیے امام نے اپنے معتمد شخص جناب مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا اور آپ نے بھی کوفہ سے آئے خطوط کی تائید کی۔ اس لیے امام نے دعوت کوفہ پر مثبت جواب دیا۔ اگر آپ کوفہ نہ جاتے تو عام خیال امام کے خلاف اعتراضاً اٹھ کھڑا ہوتا کہ ہم نے آپ کو ہزاروں کی تعداد میں خطوط روانہ کیے اور جناب مسلم بن عقیل نے بھی تائید کی تھی پھر بھی آپ تشریف کیوں نہیں لائے ۔۔۔! انسان کو مثبت خیال ہونا چاہئے ۔ اگر کوئی شخص ظاہری طور بھی پر مثبت خیال کا اظہار کرتا ہے توہمیں اسے مدنظر رکھنا چاہئے۔ اس کی گذشتہ خطاؤں پر مورد عتاب ٹھہرانا مناسب نہیں ۔ممکن ہے کہ اس کی غلطیاں، کسی خاص مقصد کے تحت جس کا دائرہ اثر محدود ہو، انجام پائی ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے گزرے دنوں میں کسی خاص نوعیت کی وجہ سے غیر مناسب کام انجام دیا ہو اور اس وقت وہ اپنے حالات سے توبہ کرچکا ہو۔

دوسرا پہلو سفر شہادت تھا۔ امام حسین علیہ السلام کو اپنی شہادت کا مکمل علم تھا۔ روایت میں ملتا ہے کہ آپ کے نامہ اعمال میں تحریر تھا: 'قاتل فاقتل وتقتل واخرج باقوام للشهادة لاشهادة لهم الامعك'

جنگ کرو، قتل کرو، قتل کردیئے جاؤ اور ایک ایسی جماعت کے ہمراہ شہادت کے حصول کے لیے گھر سے باہر نکلو جس کی شہادت تمہارے ہمراہی میں لکھی جاچکی ہے۔

(اصول کافی، شیخ کلینی ، جلد/۱، صفحہ/۲۸۰، المکتبۃ الشیعیۃ)

جب آپ مکہ میں قیام پذیر تھے تو پیغمبر اسلام نے آپ کو خواب میں قتل ہوجانے کی خبر دی تھی: یاحسین! اخرج الی العراق فان اللہ قدشاء ان یراک قتیلا' اے حسین! عراق کی جانب حرکت کرو۔ بے شک! اللہ تم کو مقتول کی صورت میں دیکھنا چاہتا ہے۔

(لہوف ،سید ابن طاووس، ص: ۶۷، ناشر: موسسہ فرہنگی واطلاع رسانی، تبیان، قم)

رسول اسلام نے آپ کی شہادت کی خبر جناب ام سلمہ کو بھی دی تھی۔ مقتل مقرم میں روایت موجود ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت ام سلمہؓ سے فرمایا: 'مجھے اس دن کا بھی علم ہے کہ جس دن مجھے شہید کیا جائے گا اور جس گھڑی میں مجھے شہید کیا جائے گا اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میرے خاندان اور اصحاب میں سے کون کون میرے ساتھ شہید ہوگا۔ کیا آپ یہ گمان کرتی ہیں کہ آپ کو اس امر کے بارے میں علم ہے اور مجھے اس کا علم نہیں اور کیا موت سے فرار ممکن ہے؟ اگر میں آج اس کے لیے نہ نکلا تو کل مجھے ضرور نکلنا ہوگا۔'

(مقتل حسین، عبدالرزاق المقرم، ص/۲۷)

اس کے علاوہ متعدد روایات اور امام کے ارشادات بھی موجود ہیں جو آپ کی شہادت کی گواہی کے لیے کافی ہیں ۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ابن زبیر سے فرمایا: 'اگر میں کیڑے مکوڑوں کے بل میں بھی چھپ جاؤں تو یہ لوگ مجھے باہر نکال لائیں گے اور مجھے قتل کرکے اپنا مقصد حاصل کریں گے۔'

(مقتل حسین، عبدالرزاق مقرم، ص/۲۷)

بعض لوگ شہادت وہلاکت کا فرق نہیں جانتے۔ جس کے باعث ان کا اعتراض ہوتا ہے کہ امام نے خودکشی کی ہے جبکہ امام کی شہادت ہوئی ہے۔ تحفظ اسلام اور دفاع اسلام کی خاطر راہ خدا میں قربانی دینا شہادت عظمیٰ ہے، ہلاکت نہیں ۔ ورنہ علم غیب کے مالک انبیائے کرام کا جہاد معنی ندارد۔۔۔؟

امام حسین علیہ السلام کا مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کوفہ کا سفر نہایت عاقلانہ اقدام تھا۔ بعض حضرات کی نگاہ میں شہر کوفہ کا انتخاب غیر مناسب تھا لیکن امام نے حالات وشرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے شہر کوفہ کا انتخاب کیا جو بہرحال ، مناسب ترین انتخاب تھا۔ کوفہ سے ہزاروں مثبت خطوط آئے تھے۔ مسلم بن عقیل نے کوفہ آنے کی تائید کی تھی۔ کوفہ امام علی علیہ السلام کا مرکز حکومت تھا اور فوجی چھاؤنی بھی۔ وہاں جنگ آزمودہ اور بہادر لوگ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ کربلا کے جانثاروں میں اہل کوفہ کی ایک خاص تعداد بھی موجود ہے۔ اس لیے ہمیں امام کے اقدامات پر بسر و چشم قبول کرنا چاہئے اور عقل وخرد سے کام لیتے ہوئے پیغام حسینی کو مثبت انداز میں دنیا تک پہنچانا چاہئے۔

(قم المقدسہ، ایران)

rascov205@gmail.com

حسین علیہ السلام اور انقلاب

سید علی طاہر عابدی

انقلاب عربی زبان کا لفظ ہے اور کم از کم ساڑھے چودہ سو برس کی تاریخ رکھتا ہے۔ لیکن عہد حاضر میں یہ اصطلاح انگریزی لفظ ریولیوشن کے ہم معنی ہے۔ تاریخ تہذیب وتمدنِ انسانی میں اس لفظ کا اخلاق ایسی سیاسی، سماجی تحریکوں پر کیا گیا ہے جنھوں نے سیاسی وسماجی نظام حیات میں تبدیلیاں پیدا کیں۔ اس لفظ نے اپنے اصطلاحی معنوں میں اپنا دائرہ کار متعین اور محدود صورتوں میں پیش کرتا رہا ہے۔ مثلاً فرانس کا انقلاب، انگلینڈ کا انقلاب، روس وچین کا انقلاب، یا سبز انقلاب جس میں زرعی تبدیلیوں کے ذریعہ اجناب کی پیداوار میں اضافہ کیا گیا۔ اگر بغور جائزہ لیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ ماضی کے تمام انقلاب یا سیاسی حیثیت کے ہیں یا معاشی حیثیت کے۔ انسانی تاریخ میں انقلاب کا کلی تصور جو زندگی کے ہر رخ پر محیط ہو نظر نہیں آتا۔

انقلاب کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ ہر انقلاب کے بعد وہ قوتیں جنھوں نے انقلاب کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی خاموش نہیں رہتیں یہ ساری قوتیں ضدِ انقلاب کہلاتی ہیں۔ کبھی یہ قوتیں اعلانیہ صف بندی کرتی ہیں اور انقلابی طاقتوں کے خلاف صف بندی کرتی ہیں مگر زیادہ تر یہ قوتیں انقلابی کیمپ میں اس طرح داخل ہوتی ہیں کہ چہرے پہچانے نہیں جاسکتے ان کا طرز اظہار کم وبیش انقلابی ہوتا ہے لیکن طرز عمل مخالف انقلاب ہوتا ہے۔

عصر حاضر میں ایسے لوگوں کے لئے ''انحراف پسند'' کی اصطلاح وضع کی گئی ہے تاریخ ادیانِ عالم میں ایسی انحراف پسند طاقتیں نظر آتی ہے اور اس کی سب سے روشن اور بین مثال حضرت موسیٰ کے دور میں جناب ہارونؑ کی موجودگی میں سامری کی گوسالہ پرستی یا پھر حضرت عیسیٰؑ کے ساتھیوں میں سے کچھ کا منحرف ہوجانا تھا۔

تاریخ اسلام میں چاہے وہ اسلام سے پہلے ہو یا بعد میں کوئی بھی انقلاب نہ تو زندگی کے تمام گوشوں پر محیط ہے اور نہ ہی اس کا وقفہ لامحدود ہے۔ اسلام واحد انقلاب ہے جس پر کلی انقلاب کا اطلاق ہوتا ہے۔

چند افراد مغربی مفکرین کی تقلید کرتے ہوئے اسلام اور دیگر ادیان کو اصلاحی تحریک کہنے لگتے ہیں یہ بالکل غیر درست عمل ہے اس لئے کہ اصلاح یا ریفارم میں مروجہ نظام کے بنادی ڈھانچہ کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؔ نے انقلابی عمل کے تسلسل کا ذکر فرماتے ہوئے یہ شعر کہا:

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روحِ اُمم کی حیات کشمکشِ زندگی

اقبالؔ نے اپنی سیاسی بصیرت کو بروئے کار لاتے ہوئے یہ فرق واضح کیا کہ تحریک اور انقلاب میں اثرات مختلف ہوتے ہیں۔ کسی بھی تحریک کے اثرات عارضی ہوتے ہیں لیکن کشمکشِ انقلاب کا تصور عارضی نہیں ہوتا بلکہ مسلسل ہوتا ہے۔

دین اسلام نے مسلسل انقلاب کا تصور دیا اس نے اصطلاحیں مستعار نہیں لیں بلکہ خود اپنی اصطلاحات وضع کیں۔ جو انقلاب کا تصور اسلام کے پاس ہے وہ تصور جہاد کی شکل میں ہے، جہاد بالنفس، جہاد بالقلم، جہاد بالسیف اور جسے آج کی دنیا نے ضدِ انقلاب کہا ہے اسلام نے اسے منافقت کا نام دیا ہے۔

اسلام نے انقلاب کا جو مکمل تصور دیا ہے اس کے کچھ پہلو یوں ہیں:

۱۔ اسلام نے کثرتِ فکر وحدتِ فکر عطا کرکے زندگی کو انتشار اور خوابِ پریشاں ہونے سے بچاتے ہوئے یکجہتی عطا کی جسے ہم عقیدۂ توحید کہتے ہیں۔

۲۔ اسلام نے ہر انسان کو انفرادی سطح پر عمل کے ذریعہ سزا اور جزا کا تصور پیش کیا۔

۳۔ اسلام نے الٰہی قوانین کی تفہیم اور نفاذ کے لئے شارح اور شارع کی ضرورت کا احساس دلایا۔

۴۔ اسلام نے ایک ایسا معاشی نظام پیش کیا تھا جس میں استحصال کی قطعی گنجائش نہیں۔ اسلام نے بتایا کہ اگر تجارت عوام الناس کی خدمت کے لئے ہے تو عبادت اور اگر منافع کے لئے ہے تو استحصال ہے۔

۵۔ اسلام نے مساویانہ حقوق کے ذریعہ معاشرے سے خوف و دہشت وہراس کا خاتمہ کیا۔

۶۔ اسلام نے انسانی تاریخ میں پہلی بار صنفی اعتبار سے عورتوں کو حقوق دیئے۔

اسلام نے ہر نئی بات کو بدعت نہیں کہا بلکہ حسنہ اور سیئہ کے لاحقے پر مہیا کئے وہیں ہر تبدیلی کو بھی بہتر نہیں سمجھا اور بعض مقامات پر تو تبدیلی کے تصور کو بھی گمراہی اور ضلالت کہا۔

آغازِ اسلام ہی سے ضدِ انقلاب کی طاقتیں ابھریں ان میں کچھ وہ تھے جو کھلم کھلا مقابل ہوئے اور کچھ وہ تھے جن کے لئے خداوندِ عالم کو قرآنِ شریف میں سورۂ منافقون بھیجنا پڑا۔

۱۱ھ کے بعد سے اسلام میں منافقت یا ضدِ انقلاب کی طاقتوں نے اپنی ریشہ دوانیوں سے اسلام کے ہر تصور پر ضرب لگانی چاہی۔ لیکن ضد انقلاب کی یہ تحریک ہر مرحلہ پر شکست کھاتی رہی۔ جنگ صفین، جنگِ نہروان، صلح امام حسنؑ ہر موقع پر منافقت کو شکست بھی ہوتی رہی اور چہروں پر پڑی ہوئی نقابیں بھی نوچ کر پھینکی جاتی رہیں۔ لیکن ۶۱ھ میں یہ ساری طاقتیں ایک فرد میں علامت کے طور پر مجتمع ہوگئیں اور اپنی دانست میں ضدِ انقلاب کی طاقتوں نے بھرپور کوشش کی کہ آخری بھرپور حملہ کرکے اسلام کے بنیادی تصور کی جڑ ہی کاٹ دی جائے اور وہ انقلاب جسے مسلسل ہوتا تھا عام دنیاوی انقلابات کی طرح نصف صدی میں تاریخ کے بوسیدہ اوراق میں گم ہوجائے۔

اسی ضدِ انقلاب نے سب سے پہلے مطالبۂ بیعت کیا۔ یہ اسلام کے اساسی تصورات کی نفی تھی۔ کسی بھی فرد کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کسی دوسرے فرد کے تمام احکامات اور عمل کو الٰہی قانون کا سرٹیفکٹ دے دے۔ یزید نے جبریہ بیعت کا اصول پیش کیا ۔ حضرت امام حسینؑ نے یزید کے خلاف جو فرد جرم عائد کی اس میں دو پہلو بہت نمایاں تھے۔

۱۔ یزید نے حرام کو حلال میں تبدیل کردیا
۲۔ مال مسلمین کو غصب کیا۔

امام حسینؑ نے یہ فرد جرم عائد کرکے رہتی دنیا تک اسلام کے زرّین اصولوں کو محفوظ کردیا۔

امام حسینؑ نے انقلاب مسلسل یا اسلامی قانون کے تحفظ کے لئے کمر باندھی اور یزید کی طرز حکومت اور طلب بیعت کا جواب اپنی لازوال وبے مثال قربانی کے ذریعہ دیا۔

۶۰ھ کے بعد اسلام میں جو طرز وراثت کا نیا طریقہ رائج ہوا وہ بالکل مضحکہ خیز شہنشاہیت تھی جو اسلام پر مسلط کی جارہی تھی۔

امام حسینؑ نے اس طاقت کے مقابل میدان کربلا میں اسلام کے سوکھے ہوئے گلے کو آب شہادت سے ایسا تر کیا کہ رہتی دنیا تک کوئی اسے بھلا نہ پائے گا۔

یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ بانیٔ انقلاب سید المرسلینؐ، خاتم النبیینؐ، حضرت محمد مصطفیؐ ہیں اور محافظ انقلاب سیدہ شباب اہل جنہ وارثِ انبیاؑ ومرسلین حضرت امام حسینؑ ہیں۔ نانا شارع ہے اور نواسہ شارح ہے۔

نانا امن وسلامی کا پیغامبر۔ نواسہ امن وسلامی کا نافذ کرنے والا۔ نانا رحمۃ اللعالمین، نواسہ انسانیت کا نجات دہندہ۔ نانا قرآن ناطق، نواسہ اس کی تفسیر۔

عزم وصبر حسینؑ نے کربلا میں چند لمحوں کو اتنی وسعت دی کہ وہ صدیوں پر ہی محیط نہیں ہوگئے تا قیام قیامت انھوں نے اسلام کو نفاق سے الگ کرکے امام مبین ہونے کا حق ادا کردیا۔ کربلا میں ضدِ انقلاب کی قوتوں نے ہر طرح سے اسلام کو مسخ کرنا چاہا، حسینؑ نے ہر مرحلہ پر ضدِ انقلاب کی کوششوں کو ناکام بنادیا۔ لشکرِ حسینؑ کے ہر فرد نے اپنے اپنے انداز میں دنیا والوں کو عمل مسلسل کا سبق دیا۔

یوم عاشورا خیام حسینیؑ میں آگ نہیں لگائی گئی تھی۔ اسلامی تصورات کو جلانے کی کوشش کی گئی تھی۔ خیامِ حسینیؑ سے اٹھتے ہوئے شعلے آج بھی انسانیت کو راہ ہدایت دکھا رہے ہیں۔

اگر آج دنیا کی مظلوم قوموں کو ظالموں سے ٹکرانے کا موقع ملا ہے تو وہ کربلا سے ملا ہے۔ آج بے سروسامانی کے ساتھ اپنی سرزمین پر غریب الوطنی کا احساس دلایا جارہا ہے تو اس سے مقابلہ کرنے کے لئے صبر حسینؑ مشعلِ راہ بنا ہوا ہے۔

تاریخ جب بھی کروٹیں لے گی جہاں کہیں بھی ظلم وجبر کے ساتھ مقابلہ آرائی کے لئے پرستاران حق وصداقت اٹھیں گے وہاں حسینؑ کا غم مینارۂ نور بن کر راہ دکھائے گا۔

اسیرانِ کربلا کی آبلہ پائی صحراؤں میں رہبری کرے گی۔ روز قیامت تک اسلام کی مسیحائی کے لئے فخر عیسیٰؑ کا نواسہ اپنے گلوئے خشک سے آب حیات پلاتا رہے گا۔

شاعر میثم مقال مرحوم محمد علی وقاؔ نے کیا خوب کہا

درِ شبیرؑ پہ اس طرح کھڑا ہے اسلام
جیسے بیمار مسیحا سے شفا مانگے ہے

✿✿✿✿

عظمتِ حسینؓ

ذکی طارق بارہ بنکوی

نبی علی کا گھرانہ مرے حسین کا ہے
حسب نسب بڑا اعلیٰ مرے حسین کا ہے

اسے دباؤ گے جتنا یہ ابھرے گا اتنا
یہ میرا ایماں نوازا مرے حسین کا ہے

تو قتل کرتے ہوئے شمر یہ بھی بھول گیا
نبی کا عکس، سراپا مرے حسین کا ہے

کہیں بھی نسلِ یزیدی نظر نہیں آتی
ہر ایک شہر میں کنبہ مرے حسین کا ہے

گلے میں تیر چبھا ہے مگر ہے لب پہ ہنسی
یہ روئے کیسے کہ بیٹا مرے حسین کا ہے

یزید و شمر کا لیتا نہیں ہے نام کوئی
جہاں میں آج بھی چرچا مرے حسین کا ہے

لقب ہے فاتحِ خیبر علی ہے جس کا نام
خدا کا شیر وہ بابا مرے حسین کا ہے

نبی کی پشت کے اور دوش کے سوار ہیں یہ
بڑی بلندی پہ رتبہ مرے حسین کا ہے

عبادتوں کی جو تاریخ میں مثالی بنا
قسم خدا کی وہ سجدہ مرے حسین کا ہے

نبی کا یہ فرمان بھولنا نہ کبھی
وہی ہے میرا جو شیدا مرے حسین کا ہے

سعادتگنج، بارہ بنکی، یوپی انڈیا

✿✿✿✿

فلسفہ ومقصد قیام سید الشہداؑ اور ہمارا کردار وعمل

ڈاکٹر شجاعت حسین

شہید کی اپنی ایک خاص شان ہے۔ وہ سپریم عزیز ترین متاع یعنی زندگی کا نذرانہ دے کر مذہب وملت کی بقا کا سامان پیدا کرتا ہے۔ اس کا لہو قوم کی رگوں دوڑ کر اسے حیات نو بخشتا ہے۔ یہی ایسی زندہ حقیقت ہے جس کی تائید تاریخ انسانیت قدم قدم اور ہمیشہ کرتی ہے۔

اسلامی نقطہ نگاہ کے مطابق وہی شخص شہید کا رتبہ حاصل کرتا ہے جس کی شہادت اسلام کے مقرر کردہ معیارات کے مطابق انجام پائے یعنی شہادت کا اعزاز اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو بلند ترین اسلامی مقاصد کے حصول کی کوشش کرتے ہوئے قتل ہوجائے اور یہ عظیم قربانی پیش کرنے سے اس کا مقصد صحیح انسانی اقدار کی حفاظت کرنا ہو۔

قرآن کریم اور احادیث میں شہداء کے بارے میں جو کچھ بیان کیا گیا اس سے اس لفظ کے صحیح ومناسب مفہوم کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اسے کیوں اس قدر محترم ومقدس سمجھتے ہیں۔

قرآن حکیم شہید کے سلسلے میں فرماتا ہے: "اور تم گمان بھی نہ کرو کہ کشتگان راہ خدا مردہ ہیں۔ نہیں، وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کی طرف سے رزق پاتے ہیں۔" سورۃ آل عمران، آیت169)

شہید کی مثال ایک شمع کی مانند ہے جس کا کام دوسروں کو روشنی مہیا کرنے کی خاطر جلنا اور بجھ جانا ہے۔ شہداء عالم انسانیت کی شمعیں ہیں وہ بنی نوع انسان کو روشنی مہیا کرنے کے لئے اپنے آپ کو جلا کر خاکستر کر دیتے ہیں۔ اگر وہ اپنی روشنی نہ پھیلائیں تو کوئی انسانی معاشرہ نہ تو اپنے کام کا آغاز کرسکتا ہے اور نہ ہی اسے جاری رکھ سکتا ہے۔

مولانا روم، سورۃ روم کی آیت کریمہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خواند مزمل نبی را زین سبب
کہ برون آی از گلیم ای بوالھرب
ہمیں قم اللیل کہ شمعی ای ہمام
شمع، دائم شب بود اندر قیام

فلسفہ اور مقصد قیام امام حسین علیہ السلام ابوالآئمہ حضرت علیؑ وسیدہ النساء حضرت فاطمۃ الزہرؑا کے فرزند اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفی ﷺ و جناب خدیجۃ الکبریٰ کے نواسے، شہید مظلوم امام حسنؑ کے قوت بازو اور امت کے نوجوانان جنت کے سردارؑ کے عزادار کا مختصر تعرف، تعریف و شناخت ضروری ہے۔ عزادار کی پہچان عشق مقصدِ پیغامِ کربلا، عشق آشنائی فلسفۂ شہادت کربلا، مقصد قیامِ حسینؑ سے روشن خیالی، عشق پاک تر و بیباک تر، عشق میدانِ عمل کا مردِ میدان، عشق روحِ عمل کی علامت، یقین محکم و پختہ عزم کا نشان، عشق آباد کرنے کی خاطر خود کو ویران کرنے کا روشن منارہ، عشق کامیاب اور گراں بہا، عشق چون وچند سے آزاد، عشق امتحان کے لیے سدا آمادہ، کامیاب وکامران، عشق فضل خدا سے اپنا احتساب خود کرنے والا، عشق بندۂ الٰہی اور مظہرِ کربلا، علم و دانش، حلم وعمل، سخاوت وذہانت، زہد وتقویٰ، صبر وشکر اور ایثار وقربانی میں بے مثل۔ کربلا عشق کے لیے حریت ہی آرامِ جاں اور حریت ہی سواری کی ساربان، عشق پیغام کربلا میں حالت جنگ ونبرد آزمائی کیونکہ سید الشہداء عاشقوں کا امام، وہ بتولؑ کا جگر بند جو رسالت مآب کے باغ خاسر و آزاد ہے، اللہ اللہ پدر، بسم اللہ کی ب کا نقطہ ہے اور پسر خود آیۂ ذبح عظیم کی حقیقت وتفسیر ہے (سورۃ الصفت 37، آیت :(107

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنیٔ ذبح عظیم آمد پسر

حسینؑ کے لیے رسول اکرمؐ کی حدیث حسین منی وانا منل حسین※ امتوں میں بہترین امت کے اس شہزادے کے لیے رسالت مآب کا دوش بہترین سواری بنے، ان کے لہو سے عشق غیور سرخ رُو ہے اور اس کے مضمون سے اس مصرع کی رنگینی ہے، آپ کا مقام ومرتبہ اس امت کے درمیان ایسا ہی ہے جیسا قرآن میں قل ھو اللہ ہے۔ عزاداران سید الشہدا کو زیر نظر رکھنا چاہیے کہ موسیٰ فرعون، شبیرؑ ویزید اور حق وباطل دو ایسی قوتیں ہیں جو ابتداء سے متواتر چلی آرہی ہیں۔ آج جو حق زندہ ہے وہ قوت حسینؑ سے زندہ ہے، سردار خیر الامم سے ٹکرایا جس سے بارانِ رحمت ہوئی۔ یوں کہا جائے کربلا کی زمین کو اپنے لہو سے چمن بنایا، جلا بخشی، آپؑ نے قطع استبداد، ظلم وستم کی جڑیں کاٹ دیں اور آپ کے لہو کی موج نے چمن کی آبیاری کی اور حق کی بقا کی خاطر اپنی شہادت پیش کی اور کلمہ طیبہ کی محکم بنیاد بن گیا:

بہر حق در خاک وخوں غلطیدہ است
پس بنائے لاالہ گردیدہ است

امام حسینؑ کا مقصد نہ تو تخت وتاج کا حصول تھا اور نہ ہی دولت وطاقت پر قبضہ کرنا تھا۔ یہ سب ان کے قدموں کی دھول تھی۔ آپؑ کا مقصد قیام وشہادت مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنا اور اسلامی اقدار کو اجاگر کرنا تھا۔ امام حسینؑ کے قیام کا مقصد کلمۂ توحید کی بقا، شریعتِ محمدیؐ کا تحفظ، قرآن کی بالادستی، انسانی اقدار کی بحالی، مساوات قائم کرنا، غلامی سے آزادی دلانا تھا جس کی وضاحت سبط اصغرؑ نے مدینہ سے کربلا تک قدم قدم پر فرماتے رہے۔ شہید اکبرؑ کی شہادت وقیام کا مقصد اسلام کی صحیح تصویر سامنے لانا تھی اور ایک ایسا انقلاب پیدا کرنا تھا کی یزیدیت کی اصلی شکل اور پس پردہ چہرے سامنے آجائیں اور نانا کا دین تاقیامت زندۂ جاوید ہوجائے۔

سید الشہداؑ کا ہدفِ واجباتِ دین پر عمل کرنا اور تمام مسلمانوں سے عمل کرانا تھا، اس کے لیے یزیدی حکومت کو ختم کرنے کے بجائے یزیدیت کو ختم کرنے کے اہداف کو اپنایا۔ یزیدیت کی نابودی کے لیے ایثار وقربانی، صبر وشکر کی ضرورت تھی۔ لہٰذا حضرت امام حسین علیہ السلام نے اسلامی اور اخلاقی راہ اختیار کی اور اپنی واپنے خاندان کی قربانیاں پیش کر کے اسلام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جلا بخشی دی:

تیغ بہر عزت دین است وبس
مقصد او حفظ آئین است وبس

مقدس ہستیوں کا قیام، الٰہی قیام ہوتا ہے اور ان کا ہدف ومقاصد بندگانِ خدا کو ظلم کے پنجوں سے نجات دلانا، غاصبوں سے مستحقین کو حق دلوانا، لوگوں کو شریعتِ الٰہی کی تعلیم دینا اور اس کا نفاذ کرنا ہوتا ہے۔ یہ مقدس ہستیاں خواہ بندگانِ خدا کی نجات کے لیے قیام کریں یا شریعت الٰہی کے قائم وحفاظت کے لیے کریں دونوں صورتوں میں ان کا ہدف اور مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی ہوتا ہے جس کے لیے وہ اپنی جان کی قربانی دیتے ہیں یہاں تک کہ اپنے عزیز ترین جگر گوشوں کو بھی اس راہ میں قربان کر دیتے ہیں۔ صرف خالص خوشنودیٔ خدا کے لیے شہادتیں پیش کرنا وقیام کرتے ہیں۔

سید الشہداؑ کی وہ آواز ھل من ناصر ینصر نا ہے کوئی جو میری مدد کرے دنیا میں گونج رہی ہے۔ اس صدا کا مقصد اسلامی اقدار کو زندہ کرنا اور قائم رکھنا ہے خواہ کتنے ہی مصائب برداشت کرنے ہوں اور کتنی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ دنیا گواہ ہے کہ ظلم کے پہاڑ ٹوٹ گئے لیکن اس کوہِ عزم واستقلال سے ٹکرا کر خود پلٹ گئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی زبان پر ذیل شعر جاری رہا "اگر میرے نانا کا دین برقرار نہیں رہ سکتا جب تک کہ میری رگِ حیات قطع نہیں ہوجاتی تو اے تلوارو! آؤ، یہ جسم حاضر ہے۔"

حضرت امام حسینؑ اور ان کے تمام دوست واحباب گویا سبھی ساتھیوں کے ذہنوں میں سورۃ العصر کے معنی ومطالب ان کی تعلیمات پر پیہم عمل پیرا رہے۔ والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر (سورۃ العصر 103) قسم زمانے کی یقینی طور پر انسان خسارے میں ہے، سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی ہدایت اور صبر وتحمل کی تلقین کرتے رہے۔

متوجہ ہوں۔ اب ایک واقعہ۔ آیت اللہ العظمیٰ سید علی الحسینی سیستانی دام ظلہ کا ایک آفاقی سوال جو صوبہ یوپی، ہندوستان کے عالم ومعلم، جو کربلا کے روضہ مقدسات کی زیارت کی غرض سے زائرین کے طور پر عراق گئے ہوئے تھے، نجف الاشرف بھی وارد وصادر ہوئے۔ یہ سوال علماء کرام، ذاکرین، مقررین، بانیانِ مجالس، شعراء کرام، نوحہ خواں، سوز خواں، مرثیہ خواں، ماتمی دستہ، مدرسین، حوزہ علمیہ، منتظمین مجالس، انجمنوں کے سکریٹریز اور متولیان نے اوقاف سے بھی منسلک ہے۔ جب عالمِ دین ومعلم کو مرجع تقلید، سید علی سیستانی دام ظلہ الوارف سے یہ کہہ کر ملاوایا گیا کہ ہندوستان سے ایک بڑے عالم آئے ہیں جو آپ سے ملاقات کی خواہش رکھتے ہیں۔ ملاقات کے دوران سب سے پہلے دریافت کیا کہ آپ نے ابتک کتنے لوگوں کو شیعہ بنایا ہے؟ جن عالم سے یہ اہم سوال کیا گیا تھا ان عالم دین نے خود راقم الحروف کو دوران ملاقات بتایا۔ دل شگاف امر تو یہ ہے کہ شیعہ بنانا تو دور کی بات اب خود میں شیعوں کی صفات ہے بھی یا کہ نہیں؟

تعلیمات کربلا تعلیمات قرآن ہے۔ سید الشہداؑ کا سر اقدس سجدۂ معبود میں ہوا اور جب سر اقدس نیزے پر بلند ہوا تو تلاوت قرآن کرتا ہوا نظر آیا۔ آواز خدا آئی "اے نفسِ مطمئن اپنے رب کی طرف اس حال میں چل کہ تو خوش ہو اور پسندیدہ قرار پائے۔ پس! میرے بندوں میں شامل ہوجا۔ اور میری جنت میں چلا جا۔" (سورۃ الفجر، آیت نمبر 27-30)۔

پانچ دفعہ کا پارلیمنٹیرین اور بیرسٹر، اسدالدین اویسی نے اعتراف حق کرتے ہوئے سامعین کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں امام حسین علیہ السلام کے روضہ اقدس کی زیارت کے لیے کربلائے مولا گیا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا وہاں پر زندگی ہے، زندگی نظر آرہی ہے۔ کربلا کہ میدان کو دیکھا، آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اسی مقام پر امام حسینؑ نے اسلام کی تبلیغ وبقا کے لیے سب کچھ قربان کردیا۔ زور دیکر یہ بھی کہا کہ یزیدوں کا ساتھ کبھی بھی کسی بھی حالت میں مت دینا۔

کافی نہیں ہے صرف عقیدت حسینؑ کی
کردار مانگتی ہے محبت حسینؑ کی

المختصر، کربلا کو الفاظ سے خراج عقیدت پیش کرنے کا نہیں یعنی مجلس وماتم، ذکر وتقریر، شعر وشاعری اور نذر وتبرک ہی کافی نہیں بلکہ اپنے عمل وکردار سے فلسفہ، اور مقصد شہادت وقیام امام حسین علیہ السلام کو زندہ رکھنے وفروغ دینے کا نام ہے یہی خوشنودیٔ خدا، رسول اکرمؐ، علی مرتضٰی، فاطمۃ الزہؑرا، حسن مجتبٰیؑ اور خود سید الشہداؑ ہے۔ جنھوں نے قیام امام حسین علیہ السلام کو اپنایا انھیں باقر الصدر ان کی ہمشیرہ، سید خمینی رح، سید علی سیستانی دام ظلہ الوارف، رہبر معظم سید علی خامنہ ای، سید حسن نصر اللہ، شہید مطہری، شہید بہشتی، مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ طاب ثراہ جو جن وانس میں یکساں مقبول رہے، علامہ سید غلام عسکری صاحب طاب ثراہ، علامہ سید ذیشان حیدر جوادی طاب ثراہ، باقر النمر، زک زاکی حفظہ الوارف، شہید قاسم سلیمانی، شہید ابو مہندس، شہید خدمت سید ابراہیم رئیسی طاب ثراہ اور آج بھی جو میدان کارزار جیسے ایران، عراق، شام، یمن، لبنان اور فلسطین وغیرہ جہاں محاذ جنگ پر دل میں قیام کربلا لیے وقت کے یزید سے نبرد آزمائی کے لیے اپنی زندگی قربان کرنے کے لیے آمادہ ہیں۔

علی گڑھ، موبائل7060888223

منقبت

مسعود تنہاؔ

آنکھ میں دشتِ بے کراں، شبیرؑ
مر گئے آج تشنگاں، شبیرؑ

چل پڑا ہے یہ وقتِ شامِ الم
شام کی سمت کارواں، شبیرؑ

خون بکھرا ہوا ہے مقتل میں
دیدۂ نم ہے آسماں، شبیرؑ

لشکری سامنے ہیں محوِ طرب
اور خیموں میں ہے دُھواں، شبیرؑ

پھول مسلے گئے ہیں صحرا میں
لُٹ گیا تیرا گلستاں، شبیرؑ

ہم کو تنہاؔ کسی کا خوف نہیں
ہم پہ پیہم ہے مہرباں ، شبیرؑ

☆☆☆☆

سلام

ڈاکٹر علیم عثمانی

پہرے لگے تھے مدتیں گذریں فرات پر
طاری مگر ہے پیاس ابھی تک حیات پر
دنیا میں ہو بڑے سے بڑا کوئی حادثہ
بھاری یہ حادثہ ہے سبھی حادثات پر
دینِ نبی کے واسطے مشکل میں ہیں وہی
قابو تھا جن کے باپ کو کل مشکلات پر
ہوگا نہ دو جہاں میں بھلا کس کو اعتراف
احسان جو حسینؑ کا ہے کائنات پر
کس طرح ہم حسینؑ کو بھولیں گے تا حیات
ہے ثبت ان کا نام بیاضِ حیات پر
ظاہر ہے دل نہ ہوتا جو کنزِ غمِ حسینؑ
موتی لٹائے جاتے نہ یوں بات بات پر
میری نجات ہوگی نہ کیسے بھلا علیمؔ
جب خود غمِ حسینؑ ہے پشتِ نجات پر

☆☆☆

تذکرہ سیدنا حسین عَلَیهُ السَّلام

حافظ میر ابراہیم سلفی

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

يا آل بيت رسول الله حبكم
فرض من الله في القرآن أنزله
يكفيكم من عظيم الفخر أنكم
من لم يصل عليكم لا صلاة له

نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناکب پر قرآن وسنت سے قطعی نصوص کی لمبی فہرست ملتی ہے۔ عشرہ محرم کے دس دنوں کی نسبت سے راقم اس مضمون میں دس نقاط قلمبند کرے گا تاکہ شہید کربلا کی معرفت ہو سکے اور ان کے مدمقابل آنے والوں کی بدبختی واضح ہو سکے۔

سردار جنت

اللہ تعالی نے حسنین کریمین کو یہ سعادت عطا کی ہے کہ انہیں جنت کے نوجوانوں کا سردار منتخب کیا، چونکہ جنت میں کوئی بوڑھا نہیں ہوگا، جس کا واضح مطلب ہے کہ سیدنا ابوتراب کے یہ دو مبارک پھول تمام جنتیوں کے سردار ہیں۔ اللہ تعالی نے جنت کو حسنین کریمین کی میراث قرار دی ہے اور یہ جنت کے حقیقی وارث ہیں۔ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ، ترجمہ "حسن وحسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں، اور ان کے والدان سے بہتر ہیں"۔ (سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث 118، صحیح) ذخیرہ حدیث میں اس روایت کے ایک سو سے زیادہ طرق موجود ہیں۔

امام الانبیاء کی نسبت خاص

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "حسین منی وانا من حسین ، احب اللہ من احب حسینا، حسین سبط من الاسباط"۔ ترجمہ "حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں اللہ اس شخص سے محبت کرتا ہے جو حسین سے محبت کرتا ہے، حسین قبائل میں سے ایک قبیلہ ہیں" (مسند احمد، حسن) قاضی عیاض حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم من جانب اللہ مطلع کر دیئے گئے تھے کہ کچھ لوگ حسین سے بغض رکھیں گے اس لیے آپ نے پیشگی بیان کر دیا کہ حسین سے محبت مجھ سے محبت ہے، اور حسین سے دشمنی مجھ سے دشمنی ہے کیونکہ ہم دونوں ایک ہی ہیں"۔ حدیث سے واضح ہے کہ سیدنا حسین وآل حسین کو کربلا میں شہید کرنے والے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے۔

رب العزت نے شہید کربلا کی پاکی بیان کی

قران مقدس کے سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 33 آیت تطہیر کے نام سے معروف ہے۔ یہ آیت مبارکہ خصوصاً آل علی کی عظمت میں نازل ہوئی۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ اہل البیت میں آل علی کو تخصیص عطا کی گئی۔ عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آیت تطہیر نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ فاطمہ اور حسنین کریمین سلام اللہ علیہم کو بلایا اور انہیں ایک کملی میں ڈھانپ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بھی کملی میں ڈھانپ لیا، پھر فرمایا، اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، پس ان سے ہر قسم کی آلودگی دور فرما اور انہیں خوب پاک وصاف کر دے۔ (سنن ترمذی، صحیح) جن کی تطہیر رب کائنات نے قرآن میں بیان فرمائی ہو، ان کے مدمقابل آنے والا نجس اور پلید ہی ہوسکتا ہے۔

آیت مباہلہ کے مصداق

سورہ آل عمران کی آیت نمبر 61 ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کا نجران کے عیسائیوں کے ساتھ پیش آنے والا مشہور واقعہ یعنی واقعۂ مباہلہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ نجران کے نصاریٰ کے مناظرے کی طرف اشارہ کرتی ہے؛ کیونکہ نصاریٰ کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین اقانیم میں سے ایک اقنوم ہے، وہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم کی وحیانی توصیف سے متفق نہیں تھے جو انہیں خدا کا پارسا بندہ اور نبی سمجھتا ہے، حتیٰ کہ آپؐ نے انہیں للکارتے ہوئے مباہلے کی دعوت دی۔ فرمان باری تعالی ہے کہ، "چنانچہ اب آپ کو علم پہنچنے کے بعد، جو بھی اس کے بارے میں آپ سے کٹ حجتی کرے، تو کہہ دیجیے کہ آؤ! ہم اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں، اور اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں، اور اپنے نفسوں کو اور تمہارے نفسوں کو، بلالیں، پھر التجا کریں اور اللہ کی لعنت قرار دیں جھوٹوں پر"۔ (القرآن) جب یہ آیت اتری، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: اے اللہ! یہ میرے گھر والے ہیں"۔ (صحیح مسلم)

حدیث ثقلین کے مصداق

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ "قریب ہے کہ میرے رب کا بھیجا ہوا قاصد پیغام اجل لائے اور میں قبول کراوں۔ میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ پہلے تو اللہ کی کتاب ہے اور اس میں ہدایت ہے اور نور ہے۔ تو اللہ کی کتاب کو تھامے رہو اور اس کو مضبوط پکڑے رہو۔ غرض کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی کتاب کی طرف رغبت دلائی۔ پھر فرمایا کہ دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالی یاد دلاتا ہوں، تین بار فرمایا"۔ (صحیح مسلم، معجم طبرانی) لیکن امت نے اس وصیت کا خیال نہ رکھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے چلے ہوئے 50 سال بھی نہیں ہوئے تھے کہ ظالموں نے آپ کے اولادوں کو ذبح کر دیا۔

خوشبوئے رسالت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اہل بیت اطہار بالخصوص حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے شدید محبت فرماتے تھے۔ ارشاد فرمایا، «هما رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا»۔ ترجمہ "گلشن دنیا میں میرے دو خوشبودار پھول ہیں"۔ (جامع ترمذی)
مسند احمد کی روایت ہے کہ ، **"من أحبهما فقد أحبني ومن أبغضهما فقد ابغضني و من آذاهما فقد آذاني"**۔ ترجمہ "جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میری ذات کے ساتھ بغض رکھا اور جس نے ان کو اذیت دی اس نے میری جان کو اذیت دی"۔

کائنات کے عظیم شہسوار

شداد بن ہاد سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر یا عصر میں سے کسی نماز کے لئے باہر تشریف لائے تو سیدنا امام حسن یا امام حسین کو اٹھائے ہوئے تھے آگے بڑھ کر انہیں ایک طرف بٹھا دیا اور نماز کے لئے تکبیر کہہ کر نماز شروع کر دی سجدے میں گئے تو اسے خوب طویل کیا میں نے درمیان میں سر اٹھا کر دیکھا تو بچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر سوار تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں تھے میں یہ دیکھ کر دوبارہ سجدے میں چلا گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آج تو آپ نے اس نماز میں بہت لمبا سجدہ کیا ہم تو سمجھے کہ شاید کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے یا آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا البتہ میرا یہ بیٹا میرے اوپر سوار ہو گیا تھا میں نے اسے اپنی خواہش کی تکمیل سے پہلے جلدی میں مبتلا کرنا اچھا نہ سمجھا۔ (مسند احمد، صحیح) جس مبارک ذات کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ طویل فرمایا کہ شہزادہ زمین پر گر نہ جائے، اسی مقدس ہستی کے جسد اطہر کو کائنات کے ملعون ترین شقی گروہ نے کربلا کے میدان میں بے حرمتی کی۔

تا قیامت ذکر سے روشن رہے گی یہ زمیں
ظلمتوں کی شام میں اک روشنی ہے کربلا

اهل البیت سے محبت عین ایمان هے

ابوسعید خدری رضی اللہ بیان فرماتے ہیں کہ عہد نبوی میں ہم جس شخص میں بغض علی پاتے اسے منافق سمجھتے تھے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا مولی علی سے فرمایا تھا کہ مومن ہی تجھ سے محبت کرے گا اور کوئی منافق ہی تجھ سے بغض رکھے گا۔ اسی طرح سیدۃ النساء العالمین کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ "فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس سے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا"۔ فرمان ربانی ہے کہ، "اے نبی ان لوگوں سے فرما دو کہ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں، البتہ قرابت کی محبت ضرور چاہتا ہوں، جو کوئی بھلائی کرے گا ہم اس کی بھلائی میں اور اضافہ کردیں گے بے شک اللہ بڑا درگزر کرنے والا اور قدردان ہے"۔ (سورہ شوری آیت نمبر 23) اس آیت مبارکہ کو آیت مودت کا نام دیا گیا ہے۔

نبوی زبان سے شہادت کی خبر

صاحب مشکاۃ نے روایت نقل کی جسے امام حاکم نیساپوری رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا۔

ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی ،اللہ ،علیہ ،وآلہ ،وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، اللہ کے رسول! میں نے رات ایک عجیب سا خواب دیکھا ہے، آپ صلی ،اللہ ،علیہ ،وآلہ ،وسلم نے فرمایا: "وہ کیا ہے؟" انہوں نے عرض کیا: وہ بہت شدید ہے، آپ صلی ،اللہ ،علیہ ،وآلہ ،وسلم نے فرمایا: "وہ کیا ہے؟" انہوں نے عرض کیا: میں نے دیکھا کہ گویا گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو آپ کے جسم اطہر سے کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے، رسول اللہ صلی ،اللہ ،علیہ ،وآلہ ،وسلم نے فرمایا: "تم نے خیر دیکھی ہے، ان شاء اللہ فاطمہ بچے کو جنم دیں گی اور وہ تمہاری گود میں ہوگا"۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حسین رضی اللہ عنہ کو جنم دیا اور وہ میری گود میں تھا جیسے رسول اللہ صلی ،اللہ ،علیہ ،وآلہ ،وسلم نے فرمایا تھا۔ ایک روز میں رسول اللہ صلی ،اللہ ،علیہ ،وآلہ ،وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو میں نے حسین رضی اللہ عنہ کو آپ کی گود میں رکھ دیا۔ پھر میں کسی اور طرف متوجہ ہوگئی، اچانک دیکھا تو رسول اللہ صلی ،اللہ ،علیہ ،وآلہ ،وسلم کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے، وہ بیان کرتی ہیں، میں نے عرض کیا، اللہ کے نبی! میرے والدین آپ پر قربان ہوں! آپ کو کیا ہوا؟ آپ صلی ،اللہ ،علیہ ،وآلہ ،وسلم نے فرمایا: "جبریل میرے پاس تشریف لائے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ میری امت عنقریب میرے اس بیٹے کو شہید کر دے گی۔ میں نے کہا حسین کو؟ انہوں نے کہا ہاں! اور انہوں نے مجھے اس جگہ کی سرخ مٹی لا کر دی۔" (مستدرک حاکم، مشکاۃ المصابیح) اس روایت کے متعدد شواہد بھی موجود ہیں جن سے یہ روایت قوی بن جاتی ہے۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دو پہر کا وقت تھا میں لیٹا ہوا تھا۔ خواب دیکھتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں، پریشان حال ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک میں ایک شیشی ہے، اس شیشی میں خون ہے میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ خون کیسا ہے فرمایا! ابن عباس! ابھی ابھی مقتل حسین سے آیا ہوں یہ حسین اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے، آج سارا دن کربلا میں گزرا۔ کربلا کے شہیدوں کا خون اس شیشی میں جمع کرتا رہا ہوں۔

یہ فقط عظمت کردار کے ڈھب ہوتے ہیں
فیصلے جنگ کے تلوار سے کب ہوتے ہیں
جھوٹ تعداد میں کتنا ہی زیادہ ہو سلیمؔ
اہل حق ہوں تو بہتر بھی غضب ہوتے ہیں

قاتلین حسین اور راقم کا منہج

عزیز قارئین کرام! قاتلین حسین کی بدبختی اور زندیقیت کا اندازہ اس بات سے لگائے کہ وہ اتنے اندھے ہو چکے تھے کہ انہیں اس پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد نظر نہ آئی جس کا کلمہ پڑھ کر وہ بھی دعوی اسلام کر رہے تھے۔ وہ اتنے حد سے تجاوز کر چکے تھے کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں پر ترس نہ آیا، وہ اس قدر حیوانیت کی سرحد پار کر چکے تھے کہ انہیں معصوم بچوں کی پیاس دکھائی نہ دی، معصوم گلابوں کی چیخ وپکار سنائی نہ دی۔

وہ اس قدر کفر ونفاق میں ڈوب چکے تھے کہ نواسہ رسول کا سر مبارک قلم کرتے وقت ان کے پلید ہاتھ نہ کانپے۔ کیسے کوئی زندہ دل انسان قاتلین کی حمایت کرے؟ بلاشک یہ خسارے کا سودا ہوگا۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں **"من قتل الحسين, أو أعان على قتله, أو رضي بذلك, فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين؛ لا يقبل الله منه صرفًا ولا عدلًا".**

ترجمہ "جس نے سیدنا حسین کو قتل کیا، یا قتل میں معاونت کی یا قتل حسین پر راضی ہوا تو اس پر اللہ کی لعنت، ملائکہ کی لعنت اور پوری انسانیت کی لعنت، اللہ نہ اس کا فرض قبول کرے نہ نفل"۔ فرمان ربانی ہے کہ "**اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا**"۔ ترجمہ "بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے اُن کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے"۔ (القرآن)

حق ہو ستیزہ کار تو باطل ہو سرنگوں
دم بھر میں تار تار ہو شیرازۂ فسوں
دکھلا دیا حسین نے اپنا بہا کے خوں
کرتے ہیں دیکھ سینۂ باطل کو چاک یوں

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمارے دلوں میں اہل بیت کی محبت ڈال دے۔ رب العزت ہمیں اہل بیت کی معرفت عطا کرے ۔ اللہ ہمیں ناصبیت کی ضلالت سے محفوظ رکھے۔۔۔ آمین۔

رابطہ:6005465614

صفحہ اول بقیہ.............صفحہ اول بقیہ..........

یوم عاشورا! ظالم پر مظلوم کی فتح

امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا غم، وہ غم ہے جو ظاہر وباطن میں انسان کے وجود میں ایک ایسا انقلاب برپا کر دیتا ہے کہ انسان بغیر قدروں کے جینے کو موت سے تعبیر کرتا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ آج ہر مکتب خیال کے لوگ اس کے ساتھ جڑے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ اس غم کی عمارت ان انسانی بنیادوں پر قائم ہے کہ جہاں مذہبی، نسلی اور لسانی تنگ نظری کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا بلکہ ہر فرد کے دل کی آواز ہے اسی لئے دنیا کی اہم انقلابی تحریکوں میں اس کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ جس وقت ہندوستان غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا تو مہاتما گاندھی نے کہا تھا، "حسینی اصول پر عمل کر کے انسان نجات حاصل کر سکتا ہے۔" تاریخ سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت امام حسین مسلمانوں کے کسی ایک فرقے کے رہبر یا پیشوا نہیں ہیں بلکہ دنیا کا ہر غیر متعصب انسان اور باشعور مسلمان خواہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتا ہو امام کا معتقد اور محب ہے۔ پس فکر امام سے فائدہ اٹھانے اور عصر حاضر میں سیرت امام حسینؑ پر چلنے کا حق بھی تمام مسلمانوں کو یکساں طور پر حاصل ہے۔ عصر حاضر کی کربلا میں، ہماری نجات کا روشن راستہ یہی ہے کہ ہم فرقوں، مسالک اور فقہوں سے بالاتر اور غیر جانبدار ہو کر تحریک کربلا پر تحقیق کریں، سنی سنائی باتوں پر چلنے اور لکیر کا فقیر بننے کے بجائے فکر امام حسینؑ کو تجزیہ وتحلیل کے ساتھ پڑھیں اور دوسروں تک بھی آپ کا پیغام پہنچائیں۔ آپ کے بارے میں حضور اکرم، ختم الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا مطالعہ کریں اور آج کی اس تنگ نظر، متعصب سرمایہ دارانہ، کافرانہ دنیا میں ایک حسینی واسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے جدو جہد کریں۔

قیام حسینی کی انفرادیت وابدیت کا راز

امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ایک ہزار سے زائد افراد مکے سے روانہ ہوئے یا راستے میں آپ سے ملحق ہوئے مگر عاشور کی شب گنے ہوئے افراد آپ کے ہمراہ تھے، عاشور کے دن جب چند افراد آپ سے آکر ملے ان سب کو ملا کر مجموعی تعداد بہتر ہوئی۔ یہ مظلومیت ہی تو ہے۔ مگر یہ مظلومیت حقارت وذلت کے معنی میں نہیں ہے۔ امام حسین علیہ السلام تاریخ اسلام کے سب سے عظیم مجاہد ہیں۔ کیونکہ آپ اس میدان میں ثابت قدمی سے کھڑے رہے، ہراساں نہیں ہوئے اور جہاد میں مشغول رہے۔ مگر اس عظیم ہستی کی جتنی عظمت ہے مظلومیت بھی اتنی ہی شدید ہے۔ آپ جتنے عظیم انسان ہیں اتنے ہی مظلوم بھی ہیں۔ عالم غربت میں آپ شہید ہوئے (1 جولائی 1992)۔

یہی چیز اس تحریک اور اس راہ کے شہیدوں کی عظمت کا راز بھی ہے؛

شہدائے کربلا کی عظمت اسی وجہ سے ہے۔ یعنی انہوں نے اپنے فریضے کو سمجھا، فریضہ راہ خدا اور راہ دین میں جہاد تھا۔ وہ دشمن سے نہیں ڈرے، تنہائی سے نہیں گھبرائے، وحشت میں مبتلا نہیں ہوئے، اپنی تعداد کی کمی کو دشمن کے سامنے اپنی پسپائی کا جواز نہیں بنایا۔ یہی چیز انسان کو، کسی رہنما اور کسی ملت کو عظمت عطا کرتی ہے۔ دشمن کی کھوکھلی عظمت سے نہ ڈرنا (1 جولائی 1992)۔

۵. **روحانیت و بندگی:** اللہ کے سامنے سرتسلیم خم رکھنا، یہ بھی ایسی خصوصیت ہے جو کربلا کی پوری تحریک میں ہر جگہ جلوہ گر ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے مختلف مواقع پر اپنے عمل سے اس خصوصیت کا مظاہرہ کیا۔ امام حسین علیہ السلام کے طرز عمل میں روحانیت، وقار اور سربلندی کے ساتھ ہی ساتھ بندگی اور اللہ کی بارگاہ میں سراپا تسلیم رہنا بھی وہ خصوصیت ہے جو نمایاں ہے۔ یہ چیز تمام مراحل میں رہی۔ جب سیکڑوں بلکہ ہزاروں خطوط اس مضمون کے ساتھ آئے کہ ہم آپ کے شیعہ اور مخلص افراد ہیں اور کوفہ وعراق میں آپ کے منتظر ہیں تو آپ کسی غرور میں مبتلا نہیں ہوئے۔ جب آپ نے تقریر کی اور فرمایا: **»خط الموت علی ولد آدم مخط القلادہ فی جید الفتاۃ«** موت کی بات کی۔ نہیں کہا کہ ہم ایسا کردیں گے، ویسا کردیں گے۔ آپ نے دشمن کو دھمکیاں نہیں دیں اور حمایت کرنے والوں کو کوفہ میں بڑے بڑے عہدے دینے کا لالچ نہیں دیا۔ آپ نے خالص اسلامی انداز میں معرفت میں ڈوب کر اپنی تحریک آگے بڑھائی، بندگی اور تواضع کے ساتھ جدو جہد کی۔ یہی وجہ ہے کہ آج سب کے ہاتھ ان کی جانب پھیلے ہوئے ہیں اور لوگ ان سے اظہار عقیدت کرتے ہیں۔ جب کربلا میں آپ کے سو سے بھی کم ساتھیوں کو تیس ہزار اوباشوں کے لشکر نے گھیر لیا اور ان سب کی جان خطرے میں پڑ گئی تب بھی آپ کے چہرے پر کہیں دور دور تک اضطراب نہیں تھا (14 اپریل 2000)۔

(منظر و پس منظر)

”مرثیہ“ یعنی جذبۂ دردوغم کا شعوری اظہار

پروفیسر صغیر افراہیم

فطرتِ انسانی میں جذبہ دردوغم کی حیثیت قوی تر ہے اور رنج وغم کے احساس کی شدت ہی اشک وآہ کی شکل اختیار کرتی ہے اور چوں کہ دنیا کی بیش تر زبانوں کی ابتدا نظم سے ہوئی ہے اس لیے شاعر کا دل جب دردوغم سے لبریز ہوتا ہے تو وہ 'آہ وبکا' کو شعر کے قالب میں اسی طرح ڈھالتا ہے کہ اشعار خود مجسم تصویرِ درد بن جاتے ہیں۔ اسی بیانِ رنج والم کو مرثیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اظہارِ غم کے لیے شعوری طور پر انسان جس ملفوظی وسیلہ کو موزوں ترتیب کے ساتھ پہلے پہل استعمال میں لایا اس کو مرثیہ کی ابتدائی شکل کا نام دیا جاسکتا ہے۔ قدیم ترین زبان وادب میں بھی ایسی صنفِ شاعری کا وجود ملتا ہے جو اظہارِ غم کا ذریعہ رہی ہے۔ بقول عظیم امروہوی:

”انسانی آنسوؤں کی اس مکتوبی شکل کا نام ہی مرثیہ ہوگا۔ حضرت ہابیلؑ کی موت پر ابوالبشر حضرت آدمؑ کی آنکھوں میں چھلک آنے والے آنسو شاید وہ پہلا خاموش مرثیہ ہیں جو خود فطرت نے ایک دردرسیدہ باپ کے صحیفۂ عارض پر لکھا ہوگا“۔ ۱۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنے ساتھی، عزیز یا خورد و بزرگ کی موت پر اور اس کی دائمی جدائی پر رنج والم کے شدید جذبہ سے دوچار ہوتا ہے۔ اس کا اظہار وہ مختلف صورتوں میں کرتا ہے۔ عربی، فارسی اور اردو میں اسے مرثیہ کہا گیا ہے۔ سنسکرت میں رودرس (jkSnzjl) کروڑرس (djw.kjl) اور انگریزی میں ایلجی (Elegy) کی مثال دی جاسکتی ہے۔ اس کی ابتدا نسل انسانی کے ساتھ ہوئی ہے۔ اسی لیے دنیا کے پہلے انسان کے نام کے ساتھ، ایک تصور مرثیہ کا بھی اُبھرتا ہے۔ علماء کا خیال ہے کہ دنیا کا سب سے پہلا شعر آدمؑ ہی نے سریانی زبان میں کہا تھا، اور یہ شعر مرثیہ ہی میں موزوں کیا گیا تھا۔ بعضوں کا خیال ہے کہ خدا تعالی نے جب حضرت آدمؑ کو جنت سے نکال کر دنیا میں بھیج دیا تو انھوں نے جنت کے فراق میں مرثیہ کہا۔ کئی لوگوں کی یہ رائے ہے کہ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو موت کے گھاٹ اُتارا تو آدمؑ نے اپنے بیٹے پر رنج وغم کا اظہار کیا تھا اور اپنے مقتول بیٹے پر ماتم وبکا کیا تھا۔ یہ کلمات موزوں کلام کی صورت میں رونما ہوئے اور اسی کا نام مرثیہ ہے۔ ۲۔

مرثیہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ یہ لفظ رثی سے مشتق ہے ”جس کے لغوی معنی مردے کو رونے اور اس کی خوبیاں بیان کرنے کے ہیں، اصطلاحِ شعر میں اس صنف کو کہتے ہیں جس میں کسی مرنے والے کی تعریف وتوصیف اور اس کی وفات پر اظہارِ ماتم کیا جائے“۔ ۳۔

عربی دنیا کی قدیم زبانوں میں سے ایک ہے اور مرثیہ شاید عربی کی قدیم ترین صنفِ سخن ہے۔ ”مرثیہ گوئی کا صحیح مبدا ملک عرب اور زبان عربی ہے۔ وہاں مرثیہ گوئی کا عام رواج تھا“۔ ۴۔ اس لیے یہ کہنا کسی حد تک بجا ہوگا کہ عرب میں ”شاعری کا آغاز مرثیہ سے ہی ہوا ہے“ ۵۔ اور یہی ہونا چاہیے تھا۔ ”عرب میں شاعری کی ابتدا بالکل فطرت کے اصول پر ہوئی یعنی جو جذبات دلوں میں پیدا ہوتے تھے، وہی اشعار میں ادا کردیئے جاتے تھے۔ جذبات میں دردوغم کا جذبہ اور جذبات سے قوی تر ہے، اور جس جوش سے یہ ظاہر ہوتا ہے اور جذبات ظاہر نہیں ہوسکتے“۔ ۶۔ عربی شعرا اپنے عزیزوں، ساتھیوں، بزرگوں اور قبیلے کے افراد کی موت پر مرثیے کہا کرتے۔ اُن میں مرنے والے کی توصیف اور اس سے تعلقِ خاطر کی بنا پر قلبی رنج وغم کا اظہار کیا جاتا لیکن عباسی دور میں خراسانیوں کی معرفت ایرانیوں کا عمل دخل ہوا تو انھوں نے اس صنف شاعری کو اپناتے ہوئے نہ صرف فارسی میں رائج کیا بلکہ اس کے دامن کو وسیع تر کیا۔ عربی میں خنسا، متمم بن نویرہ اور فرزوق نے کامیاب مرثیے لکھے۔ فارسی میں فردوسیؔ، فرخیؔ، شیخ سعدیؔ، امیر خسروؔ، مناقیؔ، نظیریؔ، عرفیؔ، محتشمؔ وغیرہ نے اس صنف کو تقویت عطا کی۔ ”ایرانی شعراء نے عربوں کے مرثیے کے نمونے دیکھے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ فارسی شاعری میں بھی مرثیوں کے اضافے ہوگئے“۔ ۷۔ اور پھر ایرانیوں اور فارسی زبان کی معرفت اردو میں اس صنف شاعری کی ابتدا ہوئی۔

یہ تھا ماقبل تاریخ اور ماضی بعید کا پس منظر، ماضی قریب بلکہ آج کے عہد میں مرثیہ کا تصور واقعہ کربلا کے ساتھ اس طرح وابستہ ہے کہ ”اردو تنقید وتاریخ میں جب ”مرثیے“ کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس سے مراد وہ مرثیے ہوتے ہیں جو واقعاتِ کربلا سے متعلق اور جن کی ایک الگ ادبی حیثیت ہے“۔ ۸۔ واقعۂ کربلا تاریخ اسلام میں صداقت وحقانیت کا وہ منفرد اور عظیم سانحہ ہے جو ہجرتِ نبوی کے اکسٹھویں سال وقوع پذیر ہوا۔ ”یعنی اس وقت جب امیر معاویہ کے بیٹے یزید نے خلافت یعنی اللہ کے رسول ﷺ کی نیابت کا اعلان کیا اور مسلمانوں سے بیعت مانگی۔ حضرت علیؓ کے بیٹے اور پیغمبر اسلام کے چھوٹے نواسے حسینؓ نے بیعت سے انکار کردیا۔ حسینؓ کو انکار کی قیمت دینا پڑی۔ گھر چھٹا، مدینے سے بہت دور عراق میں فرات ندی کے کنارے حسینؓ کو اُن کے بہتّر ساتھیوں کے ساتھ، جن میں کوئی بچپن کا دوست تھا، تو کوئی محبت کرنے والا اور باقی بھائی بھتیجے، بھانجے اور بیٹے جن میں چھ مہینے کی ننھی سی جان، حسینؓ کا بیٹا علی اصغرؓ بھی تھا۔ ان سب کو یزید کی فوج نے گھیر لیا۔ تین دن تک یزید کی فوج سے حسینؓ کی بات چیت ہوتی رہی۔ حسینؓ نے بیعت سے تو انکار کیا مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو، میں اس سے بات کرلوں گا۔ مگر یہ بات نہیں مانی گئی۔ حسینؓ نے کہا کہ میں یزید کی حکومت سے باہر نکل جاؤں گا۔ مجھے چلا جانے دو، یہ بات بھی قبول نہ کی گئی تو حسینؓ نے یزید کی بیعت کے مقابلے میں اپنا سر دینا پسند کیا اور ۶۱ ہجری کے محرم کی دس تاریخ کو اپنے سب ساتھیوں، دوستوں اور عزیزوں کے ساتھ تیسرے پہر تک شہید ہوگئے۔ ۹۔ میدانِ کربلا میں پیغمبر اسلام کی آل واہلِ بیت کو جس بے دردی سے اور انسانیت سوز انداز میں شہید کیا گیا اس کی مثال ملنی محال ہے۔ ”واقعہ کربلا دراصل حق وباطل کی کش مکش تھی اور اگرچہ مادّی سازوسامان کے بل بوتے پر اس کش مکش میں ظاہری فتح باطل کو ہوئی۔ مگر حقیقی فتح وسرفرازی اُن جاں بازوں کی قسمت میں لکھ دی گئی جنھوں نے سر دینا گوارا کیا مگر باطل کے سامنے جھکنا پسند نہ کیا“۔ ۱۰۔ بقول مولانا محمد علی جوہرؔ:

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یہ جنگ ”نیکی اور بدی، انسانیت اور بہیمیت کی جنگ ہے“ ۱۱۔ یعنی ”باطل نے حق کو چیلنج کیا کہ وہ اطاعت قبول کرے، حق نے انکار کیا۔ حق وباطل کے درمیان یہی جہاد، حق کے نام پر حق کے پرستاروں کی شہادت اور اس کے نتیجے کے طور پر حق کی آفاقی جیت نے اس واقعے کو انسانی تاریخ کا ایک عظیم واقعہ بنادیا۔ ۱۲۔ اس اندوہناک سانحہ کی یاد منانا عزاداری کہلایا۔ ”مرثیہ گوئی عزاداری سے مربوط ومتعلق ہے۔ عزاداری اُن رسوم کا نام ہے جو امام حسینؓ کی شہادت کی یادگار میں رائج ہیں“ ۱۳۔ واقعۂ کربلا کی یادگار منانے کا طریقہ اصلاً ایران کے شیعوں کی رسم ہے“۔ ۱۴۔ لیکن اس کی ابتداء عراق میں ہوئی۔ ”سلطنت بنی اُمیہ کے زوال کے بعد عراق میں معز الدولہ احمد بن بویہ کی سلطنت قائم ہوئی۔ انھوں نے ۳۵۲ھ/ ۹۶۳ء میں بغداد میں سب سے پہلے عزاداری کی بنیاد ڈالی“۔ ۱۵۔ آلِ رسول ﷺ سے محبت وعقیدت کی بنا پر رسم اتنی عام اور مقبول ہوئی کہ ایران میں اس کو مذہبی فریضہ کی حیثیت دے دی گئی۔ ایرانی شعراء نے مرثیہ کو واقعاتِ کربلا کے پیش کرنے کا وسیلہ بنالیا۔ اس طرح مرثیہ نے جہاں لوگوں کی توجہ اپنی طرف ملتفت کی وہاں اس صنفِ شاعری کا تعلق عزاداری سے بھی قائم ہوگیا۔ ہمارے یہاں یہ رسوم، فارسی زبان اور ایرانیوں کے زیرِ اثر دکن سے شروع ہوئیں گو کہ آج ”مقامی حالات وخصوصیات کی بنا پر اگرچہ یہ رسمیں اب ملک کے مختلف حصوں میں الگ الگ طرح سے رواج پاگئی ہیں لیکن ان سب کا آغاز ہندوستان میں ایرانیوں کے اثر واقتدار سے ہوا“۔ ۱۶۔

اردو شعروادب کی باقاعدہ ابتدا اور نشوونما سرزمینِ دکن میں ہوئی۔ ”ابتدائی شاعری کے تمام نمونے ہم کو دکن ہی میں ملتے ہیں“۔ ۱۷۔ اور اُن اولین نمونوں سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ ”صنفِ مرثیہ سے ہی اس کا آغاز ہوا“۔ ۱۸۔ یہ مرثیے، محض چند کاوشوں کو چھوڑ کر، اپنے موضوع کے اعتبار سے شہدائے کربلا اور واقعاتِ کربلا تک محدود رہے۔ اس بنا پر مرثیے کی اصطلاح کا مفہوم یہ ٹھہرا کہ وہ نظم جو شہدائے کربلا سے متعلق ہو اور جس میں ان کی تعریف اور توصیف کے ساتھ اپنے رنج وغم کا اظہار بھی ہو، مرثیہ کہلائی۔ ”ادبی اصطلاح کے طور پر مرثیہ اس صنفِ شعر کو کہتے ہیں جس میں سید الشہداء حضرت امام حسینؓ یا اُن کے رفیقوں کے سفرِ کربلا، مصائب، شجاعت اور شہادت کا بیان کیا جائے۔ اس ضمن میں کئی اور چیزیں بھی آجاتی ہیں لیکن اصلاً اردو مرثیے کی بنیاد انھیں باتوں پر قائم ہے۔“ ۱۹۔ لغت میں اگرچہ مرثیہ کے معنی وہی ہیں جو عربی ادب کے ابتدائی عہد میں تھے لیکن آج اس کے اصطلاحی معنی بدلے ہوئے ہیں۔ ہمارے ادب میں مرثیے کی مقبولیت اور اس جانب خصوصی توجہ کا سبب وہ محبت اور عقیدت ہے جو ہر خاص وعام کو آلِ رسول اور اہلِ بیت سے ہے اور اسی والہانہ لگاؤ نے اس صنفِ شاعری کو معراجِ کمال پر پہنچایا ہے۔

حواشی

۱۔ مرثیہ از آدمؑ تا این دم، عظیم امروہوی، آج کل، نئی دہلی، ستمبر ۱۹۸۲ء، ص:۶
۲۔ میر انیسؔ بحیثیت رزمیہ شاعر، ڈاکٹر اکبر حیدری، ص:۴۴۵
۳۔ لکھنؤ کا دبستانِ شاعری، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ص:۶۶۹
۴۔ اردو میں مرثیہ کی تاریخ اور ادبی حیثیت، قاسم شبیر نقوی نصیر آبادی، شاعر، آگرہ، جولائی ۱۹۴۷ء، ص:۶
۵۔ میر انیسؔ بحیثیت رزمیہ شاعر، ڈاکٹر اکبر حیدری، ص:۴۴۵
۶۔ موازنہ انیسؔ ودبیرؔ، علامہ شبلی نعمانی، مرتبہ: فضل امام، ص:۲۲
۷۔ میر انیسؔ بحیثیت رزمیہ شاعر، ڈاکٹر اکبر حیدری، ص:۴۴۹
۸۔ دبستانِ عشق کی مرثیہ گوئی، ڈاکٹر جعفر رضا، ص:۱۹
۹۔ اردو مرثیہ، سفارش حسین رضوی، ص:۱۴-۱۵
۱۰۔ تحقیقی مطالعۂ انیس، ظہیر احمد صدیقی، ص:۹
۱۱۔ انیسیات، مسعود حسن رضوی ادیبؔ، ص:۱۰۸
۱۲۔ ادبی مطالعے، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، ص:۱۰۴
۱۳۔ اردو مرثیے کی روایت، ڈاکٹر مسیح الزماں، ص:۱۴
۱۴۔ ایضاً، ص:۲۰
۱۵۔ اودھ میں اردو مرثیے کا ارتقاء، ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیری، ص:۶۹
۱۶۔ اردو مرثیے کی روایت، ڈاکٹر مسیح الزماں، ص:۱۴
۱۷۔ مراثی انیسؔ میں ڈرامائی عناصر، شارب ردولوی، ص:۲۴
۱۸۔ میر انیسؔ بحیثیت رزمیہ شاعر، ڈاکٹر اکبر حیدری، ص:۴۵۸
۱۹۔ اصول انتقاد ادبیات، سید عابد علی عابدؔ، ص:۲۴۶

سابق صدر شعبہ اردو
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

مراثی انیس میں درس مساوات

ڈاکٹر ریحان حسن

اسلام ایک ایسا دین ہے جس میں عدل ومساوات کو اولین درجہ ہی نہیں دیا گیا بلکہ انسانی فلاح وبہبود کے پیش نظر ایسے قوانین بھی بنائے گئے ہیں جس سے امن وآشتی کی بستیاں آباد ہوسکیں چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

”اللہ تمہیں عدل واحسان کا حکم دیتا ہے“(سورہ نحل، آیت ۹)

بندوں پر احسان کرنا اور ان کے ساتھ عدل وانصاف سے پیش آنا بظاہر معاشرتی نظام کا حصہ معلوم ہوتا ہے لیکن باطن میں یہ انسانی برابری کی راہوں کو ہموار کرتا ہے۔ جہاں عدل کے ذریعے معاشرے سے بے ایمانی اور بے راہ روی کا خاتمہ مقصود ہے وہیں احسان سے اسے مساوات کے جذبے سے سرشار کرنا بھی ہدف ہے۔ انسانوں کو یہ درس قرآن کریم کی ابتدائی آیتوں میں ہی ملتا ہے جیسا کہ سورہ فاتحہ میں ارشاد احدیت ہے:

”الحمد للہ رب العالمین“ یعنی تمام تعریفیں اس خدا کے لئے جو عالمین کا رب ہے۔ قرآن کریم کی اس آیہ کریمہ میں عالمین کا تصور اور خدا کی ربوبیت کا پہلو قابل توجہ ہے آیت میں عالمین عالم کی جمع ہے لہٰذا ہم اپنے عالم کو دیکھتے ہیں کہ جس دنیا میں ہم رہتے ہیں وہاں خدا کی عبادت کرنے والے بھی ہیں اور خدا کی عبادت وپرستش سے بیگانے بھی، مگر خدا بیگانے کو بھی رزق اسی طرح دیتا ہے جس طرح عبادت گزار کو رزق عطا کرتا ہے۔ سورج نکلتا ہے مگر ایسا نہیں کہ سورج کی روشنی سے صرف وہی مستفیض ہوں جو عبادت گزار ہیں بلکہ خالق کائنات کے منکر بھی اس سے ویسے ہی فیضیاب ہوتے ہیں کہ جیسے ایک خدا کا عبادت گزار بندہ مستفیض ہوتا ہے۔ مساوات کا یہی سبق خالق کائنات نے اپنے رسولؐ کو بھی پڑھا کر اس خاک دانِ عالم پہ بھیجا یعنی ”رحمۃ للعالمین“ (پوری دنیا کے لئے رحمت) بنا کے ایسی رحمت کہ جس سے فرزندان توحید بھی فیض حاصل کرتے ہیں اور خون کے پیاسے بھی استفادہ کرتے ہیں۔ اس ضمن میں قرآن کریم میں محمد عربیؐ کی رحمت کا ذکر کچھ اس طرح ہے:

”اللہ کے لئے مناسب نہیں کہ وہ ان پر عذاب کرے اور آپ ان کے درمیان ہوں“ (سورہ انفاق، آیت ۳۳)

پروردگار عالم جن لوگوں کو کعبہ میں عبادت سے روک رہا ہے وہی پروردگار ان پر اس لئے عذاب نازل نہیں کرتا کہ ان کے درمیان وہ ذات موجود ہے جو عالمین کے لئے رحمت ہے، یعنی خالق کائنات نے مومن اور منکر کے درمیان رحمت مصطفوی کو برابر تقسیم کردیا۔

اسی طرح حضرت علیؑ کی حیات زندگانی میں بھی عدل و مساوات کی اعلیٰ مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں آپ کا مشہور عہد نامہ جسے جامع نہج البلاغہ علامہ رضیؒ نے نہج البلاغہ میں جگہ دی ہے قابل غور ہے۔ یہ عہد نامہ اس وقت کا تحریر کردہ ہے کہ جب حضرت علیؑ نے مالک اشتر کو گورنر بنا کر مصر کی جانب روانہ کیا تھا:

”اے مالک اشتر جس جگہ عامل بنائے گئے ہو وہاں تمہیں دو قسم کے لوگ ملیں گے ایک وہ جو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور دوسرے وہ لوگ کہ جو خلقت میں تمہارے بھائی ہیں۔ یعنی جیسے دو ہاتھ اور دو آنکھیں تمہارے پاس ہیں ویسے ہی ان کے پاس بھی ہیں جس خدا نے تمہیں پیدا کیا ہے اسی نے انہیں بھی خلق فرمایا ہے“۔ (نہج البلاغہ مکتوب نمبر ۹۳)

حضرت علیؑ کے اس عہد نامہ سے یہ واضح ہے کہ خدا نے انسانوں کو مساوی حقوق عطا کئے ہیں۔ دراصل حضرت علیؑ کا یہ عہد نامہ رہتی دنیا تک قابل تقلید ہے۔ آپ نے بنی نوع انسان کو محض اپنے قول سے ہی نہیں بلکہ اپنے افعال واعمال کے ذریعے بھی انسانوں کے دکھ اور درد کے بانٹنے کا درس دیا۔ حق تو یہ ہے کہ یہ درس ہمیں خاندان رسالت سے تعلق رکھنے والوں کے یہاں جس قدر بھرپور انداز میں دیکھنے کو ملتا ہے وہ کہیں اور نہیں۔ خواہ حضرت علیؑ کی ذات گرامی ہو یا فاطمہ زہراؑ کی، امام حسنؑ وحسینؑ کی شخصیت ہو یا امام زین العابدینؑ اور جناب زینبؑ وغیرہ کی سبھی کی حیات طیبہ میں اسلامی مساوات کا رنگ مکمل طور پر موجود ہے۔ خصوصاً واقعہ کربلا تو اس کی واضح آئینہ دار ہے۔ لہٰذا جتنے دانشور، ادباء اور شعراء اہل بیت رسالت خصوصاً حسینیت سے وابستہ ہیں ان کی تخلیقات حسینی مساوات سے لبریز ہیں۔ چنانچہ ہر عہد کے مکمل اور عظیم شاعر میر انیسؔ کے مراثی کو جب ہم دیکھتے ہیں تو اس عظیم صفت کا ذکر بصورت پیغام ملتا ہے۔ حضرت علیؑ کی حیات زندگانی کے ذکر میں انسانوں کے ساتھ برابری کے سلوک کا ذکر انیسؔ کچھ یوں کرتے ہیں:

مغموموں کے مظلوموں کے گھر آپ تھے جاتے
اور ہاتھ سے اپنے انہیں کھانے تھے کھلاتے
سر دابتے شفقت سے کبھی پاؤں دباتے
آہستہ اٹھاتے انہیں آہستہ لٹاتے
عزت سے فقیروں کو کھلا آتے تھے اکثر
ننگوں کو ردا اپنی اُڑھا آتے تھے اکثر

سچ تو یہ ہے کہ محمد عربی اور حضرت علیؑ نے حیات طیبہ میں اپنے قول وعمل اور کردار کے ذریعہ یہ باور کرایا کہ بارگاہ خداوندی میں انسان کو اس کے عمل کی بنیاد پر برتری حاصل ہوگی اس کی نظر میں بقول انیسؔ

ہوگا عمل نیک سبب لطفِ خدا کا
واں مرتبہ یکساں ہے شہنشاہ وگدا کا
(مراثی میر انیسؔ جلد دوئم صفحہ ۲۵)

درس مساوات کے اعتبار سے انیسؔ کے مرثیوں کا ذکر اس لئے ناگزیر ہے کیونکہ ان کے تمام کلام میں یکجہتی، اتحاد ویگانگت حقوق کی حفاظت اور برابری کا سبق ملتا ہے۔ انیسؔ نے اپنے مرثیوں میں یہ باور کرایا ہے کہ حضرت علیؑ نے فقراء اور غربا کی جس طرح (دستگیری وخبر گیری کی ہے وہ انسانوں کے لئے قابل تقلید ہے)۔ یقیناً آپ غریبوں کے ساتھ ایسے لطف وکرم کے ساتھ پیش آتے تھے کہ ان میں احساس غربت باقی نہ رہتا تھا اور جب کوئی سوال کرہی لیتا کہ آپ کون ہیں تو یہی جواب ہوتا کہ ایک امیر امیر کے پاس بیٹھا ہے اور ایک غریب غریب کے پاس بیٹھا ہے آپ کے اس خلق اور برابری کے سلوک کا ذکر انیسؔ کچھ یوں کرتے ہیں:

فرماں روائے خلق تھا ہر چند وہ امام
لیکن نمک سے کھاتا تھا نانِ جویں مدام
بھوکوں کو کھانا دیتا تھا جاری تھا فیض عام
کس لطف سے غریبوں سے ہوتا تھا ہم کلام
غم بے کسوں کے حال پہ کھانے سے کام تھا
بھوکوں کو آپ جا کے کھلانے سے کام تھا
(کلام انیسؔ، انتخاب، مرتب فاروق ارگلی مطبوعہ فوید بک ڈپو پرائیویٹ لیمٹیڈ ۲۰۰۳ء صفحہ ۷۵)

تاریخ گواہ ہے کہ حضرت علیؑ کی شہادت ابن ملجم مرادی کی زہر آلود تلوار سے ہوئی تو فقراء یتیموں اور رانڈوں کو جب یہ علم ہوا کہ رات کی تاریکی میں ہماری خبر گیری کرنے والا کوئی اور نہ تھا بلکہ وہ حضرت علیؑ کی ذات گرامی تھی جو ہمارے درمیان نہ رہی اس خبر کا علم غرباء، فقراء اور یتیموں کے لئے کس قدر جاں گداز تھا اس کا ذکر میر انیسؔ یوں کرتے ہیں:

سر اپنا پیٹ پیٹ کے چلاتے تھے فقیر
ہم لوگ مرگئے ترے مرنے سے اے امیر
قیدی پکارتے تھے کہ اے کل کے دستگیر
اب کس کی راہ رات کو دیکھیں گے ہم امیر
کہتی تھیں رانڈیں خلق سے وارث گزر گیا
چلاتے تھے یتیم کہ باپ آج مرگیا
(کلام انیسؔ انتخاب، مرتب فاروق ارگلی صفحہ ۸۳)

یقیناً حضرت علیؑ کی حیات کا ہر لمحہ انسانوں کے لئے مشعل ہدایت ہے۔ انہوں نے شاہ وگدا میں نہ صرف کوئی امتیاز باقی رکھا بلکہ اپنے غلاموں کے ساتھ بھی جس انداز سے زندگی بسر کی وہ دعوت مساوات سے پُر ہے۔ دراصل ظہور اسلام سے قبل غلاموں کی حیثیت نہایت کم تر اور بدتر تھی۔ ان کے ساتھ جانوروں کی طرح سلوک کیا جاتا تھا لیکن اسلام نے غلام کی اس نسبت حیثیت کو ختم کرکے معاشرہ کی ایک اہم فرد بنایا۔ مذہب اسلام کا غلاموں کے پیش برابری کے سلوک پر صرف ضرور ہی سرتھا۔ بلکہ محمد عربی اور حضرت علیؑ وغیرہ نے عملی تصویر بھی پیش کی۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنے غلاموں کو مساوی حقوق ہی عطا نہ کئے بلکہ اپنے سے بہتر غلاموں کو کھانا کھلایا حتیٰ کہ لباس بھی اپنے سے بہتر پہنایا۔

میر انیسؔ کے مرثیہ ”خورشید ملک عکس در تاج علیؑ ہے“ میں حضرت علیؑ کے ایک ایسے ہی خادم ”احمد کوفی“ کا تذکرہ ملتا ہے کہ جس سے حضرت کا اپنے خادموں کے ساتھ حسن سلوک کا اندازہ ہوتا ہے۔

لکھا ہے کہ جب احمد کوفی نے قضا کی
حیدرؑ نے جنازے کی نماز اس کے ادا کی
کیا بندہ نوازی ہے شہ عقدہ کشا کی
جب دفن کیا اس کو تو بخشش کی دعا کی
تشریف دم دفن وکفن لاتے ہیں مولاؑ
شیعوں کے اسی طرح سے کام آتے ہیں مولاؑ
(انتخاب کلام انیسؔ مرتب فاروق ارگلی، مطبوعہ فرید بکڈپو دہلی ۲۰۰۳ء صفحہ ۶۷)

حضور اکرم ﷺ نے جس طرح اپنے قول وعمل اور کردار کے ذریعے اپنے ”رحمۃ للعالمین“ کا ثبوت فراہم کیا اسی طرح دختر رسولؐ حضرت فاطمہ زہراؑ نے بھی اپنے کردار کے ذریعے اعلیٰ انسانی اقدار کے تحفظ کا درس دیا چنانچہ آپ نے کنیزوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا اور یہ باور کرایا کہ دنیا کی تمام عورتیں در اصل خدا کی ہی کنیز ہیں۔ آپ نے جناب فضہ کے رہتے ہوئے بھی گھر کے کاموں میں ویسی ہی دقتیں برداشت کیں جیسے کہ اپنی کنیز کو گھر کے کاموں میں مشقتیں اٹھانی پڑتی تھیں۔

زہراؑ کا حال دیکھ کے دل ہوگیا کباب
کی عرض فاطمہؑ سے یہ با دیدۂ پُر آب
اے دختر رسولؐ خدائے فلک جناب
ان محنتوں کی آپ کے دل میں کہاں ہے تاب
جو پیستی ہیں دودھ پسر کو پلاتی ہیں
فضہ کے ہوتے آپ یہ ایذا اٹھاتی ہیں
فرمایا فاطمہؑ نے پس از شکر کردگار
اک دن تو فضہ کرتی ہے سب گھر کا کاروبار
اور کی ہے میں نے محنت یک روزہ اختیار
ایذا ہو اس کو یہ نہیں منظور زینہار
گو میں محمد عربی کی عزیز ہوں
حق کی کنیز وہ بھی ہے میں بھی کنیز ہوں

حضرت فاطمہ زہراؑ کا کنیز کے ساتھ یہ حسن سلوک رہتی دنیا تک ان لوگوں کے لئے نمونہ عمل ہے جو اپنے گھروں کے کاموں کی انجام دہی کے لئے نوکرانیاں (کنیزیں) رکھتے ہیں۔ دراصل میر انیسؔ نے مرثیوں کے ذریعہ خانوادۂ رسولؐ کے افراد کی حیات طیبہ کو نظم کرکے ایک پیغام کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا تاکہ انسان اپنا محاسبہ کرے اور اس طرح اپنے کردار کو سنوارے۔

انہیں حضرت علیؑ وفاطمہؑ کے فرزند اور محمد عربی کے نواسے امام حسینؑ ہیں جنہیں پروردگار عالم نے عالمین کے لئے رحمت بنایا تھا۔ چنانچہ یہ تمام اعلیٰ قدریں امام حسینؑ میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ آپ نے جہاں جوان بھائی حضرت عباسؑ کی لاش پر گریہ کیا وہیں جناب جون جو بظاہر غلام تھے ان پر بھی اسی انداز سے گریہ کیا جیسے ایک بھائی کو بھائی روتا ہے جہاں امام حسینؑ نے اپنے جوان فرزند علی اکبرؑ کا لاشہ اٹھایا وہیں بچپن کے دوست حبیب ابن مظاہر کا لاشہ اٹھایا۔

امام حسینؑ نے اقرباء اعزہ غلام اور صحابہ کرام کو اسی برابری کا درجہ نہ دیا بلکہ انہوں نے خون کے پیاسوں کے ساتھ بھی مساوات کا برتاؤ کیا۔ غلاموں کے ساتھ بھی آپ کا اس قدر مشفقانہ رویہ تھا کہ جس کی نظیر تاریخ لانے سے قاصر ہے۔ میدان کربلا اس بات کی گواہ ہے کہ آپ غلاموں کے ساتھ بھی گود کے پالوں سے زیادہ شفقت ومحبت سے پیش آئے:

لڑتے تھے مگر غیظ سے رحمت تھی زیادہ
شفقت بھی نہ کم تھی جو شجاعت تھی زیادہ
نانا کی طرح خاطر امت تھی زیادہ
بیٹوں سے غلاموں کی محبت تھی زیادہ
تلوار نہ ماری جسے منہ موڑتے دیکھا
آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

میر انیسؔ کے مرثیوں میں امام حسینؑ کے خلق اور مشفقانہ کردار کو جس انداز سے پیش کیا گیا ہے ان میں امام حسینؑ کے رحم وکرم اور انسانی اقدار کی اعلیٰ مثالیں ملتی ہیں۔ خواہ اقرباء واصحاب کا ذکر ہو یا صف اعداء کا تذکرہ ہر جگہ برابری کے عمل کا میابی ہے جو آپ نے عملی طور پر پیش کیا۔ جب امام حسینؑ اپنی چہیتی بیٹی سکینہؑ کے رخصت ہونے کے لئے آتے ہیں تو یہ باور کراتے ہیں کہ یہ سامنے جو خون کی پیاسی فوج کھڑی ہوئی ہے وہ ہماری نظروں میں بھی عزیز ہیں اور وہ اس لئے کہ یہ ہمارے نانا کی امت ہیں انیسؔ کہتے ہیں:

بیٹی سے جدا ہو کے کہاں جاتے ہو حضرت
کس کے لئے ہم سب کی گوارا ہوئی فرقت
وہ کون ہے جس کی ہے یہ الفت یہ محبت
حضرت نے کہا وہ مرے نانا کی ہے امت
جو خاص ہیں ان میں وہ ہمارے ہیں سکینہؑ
وہ تم سے زیادہ ہمیں پیارے ہیں سکینہؑ

مساوات کا یہ درس اور خون کے پیاسوں کے ساتھ بھی یہ شفقت خدا کے ان خاص بندوں کا کردار ہے جنہیں پروردگار عالم کی نظر عنایت نے انہیں انسانوں کو ہدایت ورہنمائی کے لئے منتخب کیا تھا جیسا کہ کہا گیا ہے کہ حضرت امام حسینؑ جس طرح اپنے گود کے پالوں اور بھائی کے لاشے پہ پہنچے اسی قبیل اپنے دوستوں اور غلاموں کی بھی وقت آخر مدد کو پہنچے حضرت حر جو فوج یزید کا کمانڈر تھا اور اسے اس بات پر معین کیا گیا تھا کہ وہ امام حسینؑ کو راستے سے گھیر کر میدان کربلا تک پہنچائے ابھی وہ امام حسینؑ کے لشکر میں داخل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ آپ کا دشمن تھا لیکن جب اسے اور اسکے لشکر کو پیاس سے مضطرب دیکھا تو نہ صرف اس کے سپاہیوں اور جانوروں کو ذخیرۂ آب سے پانی دے کر پیاس بجھائی بلکہ حر کے پورے لشکر کو سیراب بھی کیا اور جب وہ اپنی خطا پر نادم ہو کر امام کی جانب چلا تو امام اس سے اس قدر لطف وکرم سے پیش آئے کہ جس کی نظیر تاریخ لانے سے قاصر ہے بقول میر انیسؔ:

استغاثہ یہ کیا حر نے جو بادیدۂ نم
جوش میں آگیا اے اللہ کا دریائے کرم
خود بڑھا ہاتھوں کو پھیلا کے شہنشاہ امم
حر کو یہ ہاتف غیبی نے صدا دی اس دم
شکر کر سبط رسول الثقلین آتے ہیں
لے بہادر ترے لینے کو حسینؑ آتے ہیں
حر نے دیکھا کہ چلے آتے ہیں پیدل شبیر
دوڑ کر چوم لئے پائے شہ عرش سریر
شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے با توقیر
میں نے بخشی مرے اللہ نے بخشی تقصیر
میں رضامند ہوں کس واسطے مضطر ہے تو
مجھ کو عباسؑ دلاور کے برابر ہے تو

حضرت امام حسینؑ نے جیسے حر کے ساتھ کریمانہ اخلاق کا مظاہرہ کیا ویسے ہی حضرت حر نے بھی احساس خطا کے بعد انتہائی عاجزانہ کردار پیش کیا چنانچہ جب امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے حر آگے بڑھے تو بیٹے سے کہا کہ تیرے باپ نے بڑی گستاخیاں کی ہیں میرے ہاتھوں کو اس طرح رومال سے باندھ کرلے چلو کہ جیسے ایک مجرم عدالت میں جاتا ہے۔ اور جب حر خدمت امام حسینؑ میں حاضر ہوا تو فرزند رسولؐ نے اس کے ہاتھوں سے رومال کو کھول کر دنیا وآخرت میں آزادی کا پروانہ دیتے ہوئے فرمایا حر تیری ماں نے تیرا کیا خوب نام رکھا ہے کہ تو دنیا میں بھی آزاد ہے اور آخرت میں بھی یہی نہیں وقت ملاقات اس انداز سے ملے کہ اسے برابری کا احساس ہو شرمندگی نہ ہو۔

امام حسینؑ نے حر کے احساس ندامت کو ختم کرتے ہوئے جس انداز سے عزت افزائی کی ہے وہ تاریخ کربلا میں بے مثال ہے یعنی امام عالیمقام نے وقت آخر رومال زہراؑ کو حضرت حر کی پیشانی اقدس پر باندھا۔ میر انیسؔ نے امام حسینؑ کی خدمت میں حضرت حر کی آمد اور امام عالیمقام کی عطا وبخشش کا ذکر کس خوبی سے کیا ہے ملاحظہ ہو:

کی حر نے فصاحت سے جو مداحیٔ سرور
نہوڑا لیا شرما کے سخی نے سرِ انور
اکبر سے اشارے میں یہ فرمایا کہ دلبر
کہہ دو کہ خوشی تیری اسی میں ہے تو بہتر
مداح کا مہماں کو بہادر کو ملا دو
آؤ یہ عبا لے کے مری حر کو اڑھا دو
اکبرؑ نے عبا لے کے جو مہماں کو اڑھائی
شہؑ بولے کہ نانا کا تبرک ہے یہ بھائی
عباسؑ پکارے کہ زہے عقدہ کشائی
بے خلقت رحمت تری امید بر آئی
کونین کا اقبال وحشم جانیو اس کو
فردوس کے حُلّے سے نہ کم جانیو اس کو

حضرت امام حسینؑ کا یہ الطاف وکرم مساوات کا وہ اعلیٰ نمونہ ہے کہ جو بنی نوع انسان کے لئے رہتی دنیا تک مشعل ہدایت بنا ہوا ہے۔ میر انیسؔ کے کائنات مرثیہ میں برابری و یگانگت کا ذکر حضرت حر کے ذکر میں زیادہ ملتا ہے۔

میر انیسؔ نے واقعہ کربلا کے کرداروں میں حر کے کردار کو مختلف طریقوں سے مراثی میں غالباً اس لئے بھی پیش کیا کہ امام حسینؑ کے خلق واخلاق کا اندازہ ہونے کے ساتھ ساتھ حر نے اپنی خطاؤں کا مداوا کس انداز سے کیا ہے اس کا علم ہوسکے نیز امام عالیمقامؑ نے حر کے ساتھ جو برابری کا سلوک کیا ہے اس سے بھی انسان واقف ہوسکے۔ کربلا کے کرداروں میں امام کے درس مساوات کے لئے حر کے کردار کا انتخاب انیسؔ کے ندرت فکر کا ثبوت بھی ہے اس لئے کہ حر کے کردار میں انسانی اقدار کا بیان جس خوبی سے ہوسکتا تھا وہ کسی اور کے کردار کے بیان میں جناب جون کے علاوہ غالباً ممکن نہ تھا۔ چنانچہ انیسؔ نے مختلف مرثیوں میں نت نئے جہات سے حر کے کردار کو بیان کرتے ہوئے امام کے حسن سلوک کا ذکر جابجا کیا ہے۔

حضرت حرؑ کے زخموں سے چور چور زمین کربلا پر تشریف لانے کی خبر امامؑ کے لئے کس قدر جانکاہ تھی انیسؔ کہتے ہیں:

شاہؑ رونے لگے یہ سنتے ہی مہماں کی خبر
ہوگئی آنسوؤں سے ریش مبارک سب تر
علی اکبرؑ سے کہا تم ابھی ٹھہرو دلبر
حرؑ کی امداد کو ہم جائیں گے اے نور نظر
کس سے اس وقت کہوں میں جو قلق مجھ پر ہے
لاش اٹھاؤں گا کہ مہمان کا حق مجھ پر ہے

حضرت امام حسینؑ نے میدان کربلا میں ایک غلام کو جو عزت وتوقیر دی اور اہل دنیا کے سامنے غلام کے ساتھ برابری کے برتاؤ کا جو عملی نمونہ پیش کیا ہے اس پر قیامت تک صداقتیں سلام کرتی رہیں گی، امام حسینؑ کے اس عملی کارنامے کا ذکر انیسؔ کی زبان سے یوں ادا ہوتا ہے:

کسی آقا نے کبھی کی ہے یہ توقیر غلام
دیکھ تو رحم ترے واسطے روتے ہیں امام
بھائی فرماتے تھے شفقت سے شہ عرش مقام
اے خوشا حال خدا سب کا کرے نیک انجام
حشر تک خلق میں یہ ذکر غم انگیز رہا
تو تو بچپن کے غلاموں سے بھی کچھ تیز رہا

انیسؔ کے مرثیوں میں برابری کے حوالے سے امام حسینؑ کی کنیز شیریں کا ذکر بھی قابل توجہ ہے اس لئے کہ انیسؔ نے اپنے مرثیہ ”اے مومنو! کیا صادق الاقرار تھے شبیرؑ“ کو جس نرالے انداز سے نظم کیا ہے اس کا ہر ہر مصرعہ درس مساوات کا داعی ہے۔ شیریں امام حسینؑ کی کنیز تھیں کہ جس نے امامؑ سے یہ اقرار لیا تھا کہ آپ ہمارے گھر تشریف ضرور لائیں گے تاکہ میری عزت وعظمت میں اضافہ ہوسکے۔

جب اسے خبر ملی کہ خانوادہ رسالت کا قافلہ آرہا ہے تو شیریں کے قلب کی کیفیت کو انیسؔ یوں بیان کرتے ہیں:

مدت میں برآئی ہے مرے دل کی تمنا
صدقے گئی نوش آج یہیں کیجئے کھانا
آپ آئیں یہ ہر چند نہیں ہے میرا رتبا
عزت مگر اس لونڈی کی ہو جائے گی شاہا
روشن مرا گھر کیجئے گر فیض قدم سے
کچھ دور نہیں آپ کے الطاف وکرم سے

شیریں قافلہ اہلبیتؑ کی آمد کی خبر سن کر اپنے شوہر کو امام حسینؑ کو گھر میں لانے کی غرض سے بھیجتی ہے تو وہاں اسے عجب طرح کا عالم نظر آتا ہے:

جس جا پہ تھا خیمہ عمر سعد کا برپا
واں جاکے یہ ڈیوڑھی کے نگہبانوں سے پوچھا
کب ہوگا بر آمد پسر فاطمہ زہراؑ
فرماتے ہیں آرام کہ بیدار ہیں مولا
گر اتنی خبر کر دو تو احسان بڑا ہے
اک تازہ غلام آپ کے مجرے کو کھڑا ہے

مذہب اسلام کے رہنماؤں کا انسانوں کے ساتھ برابری کا یہ سلوک میر انیسؔ کے کلام میں ہر جگہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ دراصل انہوں نے مراثی کے توسط سے اسلام کے بنیادی افکار وعقائد خصوصاً مساوات کے تصور کو ہر خیال، ہر مذہب، ہر ملت اور ہر ملک کے لوگوں کے لیئے پیغام کی شکل میں پیش کیا اور اسلام کے رہنماؤں کی حیات زندگانی سے واقف کرایا تاکہ معاشرہ سے شاہ وگدا، ادنیٰ واعلیٰ اور امیر وغریب کا امتیاز ختم ہوسکے اور دنیا میں امن وآشتی صلح وسلامتی کا ماحول سازگار ہوسکے۔

سچ تو یہ ہے کہ انیسؔ نے مراثی میں اسلام کے رہنماؤں کے کرداروں کی سیرت کو پیش کرکے ہر مکتبہ فکر کے افراد کو جس اخلاق فاضلہ کی تعلیم دی ہے وہ ہر دور کے انسانوں کے لئے مشعل ہدایت ہے۔ نیز اسلام کے رہنماؤں کی سیرت کو پیش کرکے اردو زبان کے سرمایہ میں جو انہوں نے اضافہ کیا ہے وہ اخلاق ونصائح اور پند وموعظت کی کسی کتاب سے بھی ممکن نہ تھا۔

نونہالان مسلم ابن عقیل کی کوفہ میں شہادتیں کربلا کی خونین داستان کا تتمہ ہیں

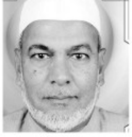

مولانا ابن حسن املوی صدر الافاضل

بچے اپنے ماں باپ، اپنے قوم و قبیلہ، اپنے ملک وملت، اپنے دین و مذہب کے مستقبل ہوتے ہیں۔ اور مستقبل کے بغیر زمانہ کی تعریف مکمل نہیں ہوتی۔ روشن مستقبل کے لئے بچوں کی حفاظت ضروری ہے۔ بچے ہی مستقبل کے معمار کہے جاتے ہیں۔

بچے گلشن انسانیت کے غنچے ہوتے ہیں بہترین اور مکمل پھولوں کی افزایش کے لئے غنچوں کی نشونما لازم ہے۔

بچے تعمیر معاشرہ کے کا اہم ترین جزو ہوتے ہیں اور بغیر جزو کے کل کا تصور خیال خام ہے۔

''بچے بھگوان کا روپ ہوتے ہیں'' ایسا ہنود کا ماننا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ بچوں پر ظلم وتشدد کرنے والے کبھی بھی عذاب الٰہی سے بچنے نہیں پاتے۔ بچوں پر ظلم ڈھانے والوں کا مستقبل تاریک ہوتا ہے۔ بچوں پر ظلم کرنے والوں کی نسل کبھی آگے نہیں بڑھتی۔ بچوں پر ظلم کرنے والوں کی انسانی سماج و معاشرہ میں کوئی جگہ نہیں ہوتی۔

آج فلسطین میں غزہ کے بچوں پر جو اسرائیلیوں کی طرف سے ظلم وستم ہورہے ہیں ان کو دیکھ کر دنیا بھر میں ہر وہ انسان جس کے سینہ میں انسانیت کا دھڑکتا ہوا دل ہے خون کے آنسو رو رہا ہے۔ اور نونہالان کربلا کے واقعات شہادت کو غمزدہ قلوب کے لئے تسلیت کا سامان قرار دے رہا ہے۔

گاہے گاہے بازخواں ایں قصہ پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

''کبھی کبھی یہ پرانے قصے پھر سے پڑھ لیا کر اگر تو چاہتا ہے کہ تیرے سینے کے داغ تازہ رہیں۔''

کربلا عظیم درسگاہ بشریت ہے جس میں ہر شعبہ حیات کا کامل درس مضمر ہے۔ جس میں ہر انسانی نوع، صنف، جنس، طبقہ کے لئے آفاقی پیغام موجود ہے۔

یہ بھی نظام قدرت ہے کہ جو کسی کی نسل کشی کرتا ہے وہ خود مقطوع النسل ہو جاتا ہے۔ تلاش کر کے بتایئے کربلا میں ششماہہ مجاہد حضرت علی اصغرؑ کے قاتل حرملہ ملعون کی اولاد دنیا میں کہیں کوئی ہے؟

دنیاوی قانون میں بھی بچوں کے ساتھ نرمی اور رحمدلی کا برتاؤ کرنے حکم ہے۔

تاریخ مذاہب اور تاریخ سلاطین کا مطالعہ کیا جائے تو قبل از اسلام کسی مذہب میں یا کسی بادشاہ کے بارے میں یہ ذکر نہ ملے گا جس نے اپنی فوج کو مفتوح قوم کے نہتے لوگوں، بچوں، عورتوں، بوڑھوں، معذوروں کے قتل عام سے منع کیا ہو۔ بلکہ فتح کے بعد تین دن تک فوجوں کو کھلی چھٹی ہوتی تھی کہ وہ جو چاہیں مفتوح قوم کے ساتھ کریں۔ لیکن اسلام واحد ایسا مذہب ہے جس نے دشمنوں کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے ان کے نہتوں، بچوں، عورتوں، بوڑھوں، ضعیفوں، معذوروں وغیرہ کے قتل کی سخت ممانعت فرمائی۔

مگر بعد وفات مرسل اعظم خود امت محمدی نے خانوادہ نبوت و رسالت کے ساتھ جو ظلم وستم روا رکھے ان کی وجہ سے مذکورہ اسلام و انسانیت کے دامن پر ایسا بدنما دھبّہ لگ گیا ہے جو قیامت تک مٹنے والا نہیں ہے۔

جناب مسلم ابن عقیل کی کوفہ میں بلائے ہوئے مہمان کی دردناک ووحشتناک شہادت کے واقعات پر کسی انسان کو آسانی سے یقین نہ آتا اگر اسی کوفہ میں مسلم ابن عقیل کے دو یتیم بچوں کی شہادت کے واقعات رونما نہ ہوئے ہوتے۔

مدیر محترم ماہنامہ اصلاح لکھنؤ نے اس سال شائع ہونے والے اصلاح محرم نمبر بعنوان ''نونہالان کربلا نمبر'' کے لئے مجھ ناچیز کو ''فرزندان جناب مسلم کی شہادت در کوفہ'' موضوع پر مضمون لکھنے کا حکم دیا ہے جس کی تعمیل میں یہ چند سطور حاضر ہیں اور اس مضمون کا اصل خلاصہ ایک جملہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ''جناب مسلم ابن عقیل کی شہادت کربلا کی خونی داستان کا مقدمہ ہے تو نونہالان مسلم ابن عقیل کی کوفہ میں شہادتیں اس کا تتمہ ہیں''۔

جناب مسلم بن عقیل حضرت امام حسین ابن علیؑ کے سفیر بن کے کوفہ گئے تھے تو کیا ایک معصوم امام کا سفارت کار جہاں وہ جا رہا ہے وہاں کے مذہبی، سیاسی، سماجی و معاشرتی حالات سے بے خبر ہوگا؟ یقیناً جناب مسلم ابن عقیل کا ہر قدم دور اندیشی اور مصلحت آمیزی پر مبنی رہا ہوگا۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ ایسے خون آشام ماحول میں اپنے ساتھ اپنے دو عدد چھوٹے چھوٹے نونہالوں کو کیوں لے کر گئے۔

اس سوال کا جواب ہمیں اس وقت مل جائے گا جب ہم اس امر پر غور وفکر کریں گے کہ امام حسین علیہ السلام اپنے ساتھ اپنے چھ ماہ کے شیر خوار بچے حضرت علی اصغرؑ کو کیوں لے کر کربلا گئے تھے۔ واضح رہے کہ

روایتیں بتاتی ہیں کہ مدینہ سے کربلا کے لئے روانگی کے وقت حضرت علی اصغر اپنی بیمار بہن جناب صغریٰ کی گود سے جدا نہیں ہو رہے تھے یعنی مولائے کائنات، مولود کعبہ کا پوتا کربلا نہیں جانا چاہتا تھا مگر امام حسینؑ نے جھک کر علی اصغرؑ کے کان میں کچھ کہا جس کے بعد علی اصغرؑ ہمک کر امام حسینؑ کی آغوش میں آگئے۔ مطلب علی اصغرؑ اب کسی اہم مصلحت ومشن کے تحت کربلا جانے پر آمادہ ہو گئے۔ علماء کا بیان ہے کہ شاید امام حسینؑ نے علی اصغرؑ کے کان میں یہ کہا ہو کہ بیٹا اگر تم کربلا نہیں جاؤ گے تو حرملہ کا تیر سہ شعبہ کا وار اپنے خشک گلے اور خشک لبوں کے ذریعہ کون روکے گا؟ روز قیامت ہماری مظلومیت اور یزیدیوں کی سفاکیت کی گواہی کون دے گا؟۔ بس اسی مقصد سے امام حسینؑ اپنے کمسن بچے علی اصغرؑ کو ساتھ لے کر کربلا گئے تھے۔ اور اپنے مشن میں باپ بیٹے دونوں فاتح قرار پائے۔ علی اصغرؑ کو دنیا خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اقرار کرتی ہے کہ اصغر چھوٹا تھا مگر بڑا کام کر گیا۔ اور اسی مقصد سے مسلم ابن عقیل بھی اپنے کمسن بچوں کو لے کوفہ گئے تھے۔ اور دونوں کامیاب رہے۔

کہا جاتا ہے ''ہے ہماری درسگاہ کربلا کربلا، حق کا سیدھا راستہ کربلا کربلا'' محض شعر کا مصرعہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ واقعہ کربلا کا ہر مجاہد خواہ بوڑھا ہو یا جوان، مرد ہو یا زن، یا پھر کوئی بچہ۔ سب ہی مثالی نمونہ ہیں۔ روز عاشور امام حسین علیہ السلام کی سپاہ میں کم سن بچے بھی قربانی دینے کے لئے پیش پیش رہے۔ خاندانِ بنی ہاشم کے دو بچے ایسے بھی تھے جنہوں نے واقعہ کربلا کے بعد جامِ شہادت نوش کیا۔ یہ دو بچے جن کا نام محمد اور ابراہیم تھا، حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام کے فرزند تھے۔ ان کی عمر اندازاً دس سے بارہ برس تھی۔

طِفلانِ مُسلِمؑ: حضرت مسلم بن عقیل کے دو فرزند محمد اور ابراہیم کو کہا جاتا ہے جو واقعہ کربلا میں امام حسین (ع) کی شہادت کے بعد کوفہ میں اسیر ہوئے۔ کچھ مدت قید میں رہنے کے بعد قید سے نکل جانے میں کامیاب ہوئے لیکن عبید اللہ بن زیاد کے کارندے کے ہاتھوں بے دردی سے شہید ہوئے۔

امام حسین (ع) کی شہادت کے بعد مسلم بن عقیل جسے امام حسین (ع) نے اپنا سفیر بنا کر کوفہ بھیجا تھا لیکن کوفہ والوں کی بے وفائی کی وجہ سے آپ کوفہ میں ابن زیاد کے ہاتھوں نہایت بے دردی کے ساتھ شہید ہوئے، ان کے دو فرزند محمد وابراہیم بھی اسیر ہوئے اور عبید اللہ بن زیاد کے حکم پر انھیں کوفہ میں قید خانہ میں بند کیا گیا۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ دونو جوان دو سال تک کوفہ میں اسیر رہے اس کے بعد مشکور نامی زندان بان جو اہل بیت کا دوستدار تھا کی مدد سے رات کو زندان سے نکل جانے میں کامیاب ہو گئے۔

یہ دو بچے دو دن تک ایک بوڑھی عورت کے یہاں مہمان رہے جو اہل بیتؑ کے محبین میں سے تھی جس کا شوہر ابن زیاد کی فوج میں کام کرتا تھا۔ رات کو جب اس کا شوہر گھر آیا تو ان دو بچوں کی موجودگی کا علم ہوا۔ یوں اس بدبخت نے انھیں صبح سویرے نہر فرات کے کنارے لے جا کر شہید کر دیا۔ ان کے لاشوں کو نہر فرات میں پھینک دیا جبکہ ان کا سر کاٹ کر ابن زیاد کے یہاں لے گیا چونکہ اس نے ان دو بچوں کو گرفتار کرنے والے کے لیے انعام کا وعدہ دیا ہوا تھا۔

شہادت نونہالانِ مسلم ابن عقیل علیہ السلام: شیخ صدوق کے مطابق اہل کوفہ کے ایک بزرگ نے کہا ہے کہ: جب امام حسین علیہ السلام شہید ہو گئے تو میدان کربلا سے مسلم کے دو شہزادوں کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لایا گیا-

ابن زیاد ملعون نے زندان کے داروغہ کو بلایا اور کہا: ان دو بچوں کو زندان میں ڈال دو اور ان پر سختی کرو- ان کو اچھا کھانا اور ٹھنڈا پانی ہرگز نہ دینا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ مظلوم بچے اس زندان کی تنگی اور تاریکی میں رو رو کر زندگی بسر کرتے رہے۔ دن کو روزہ رکھتے اور رات کو جو کی ایک ایک روٹی اور گرم پانی سے، جو حکومت کی طرف سے تھے افطار کر لیتے تھے-

یہ مدت ایک سال ہوگئی تو ایک بھائی نے دوسرے سے کہا: ہماری زنداں کی مدت بہت لمبی ہوگئی ہے، اس طرح تو ہم قید خانے میں ہی مر جائیں گے اور ہمارے جسم اس قید خانے میں ہی ختم ہو جائیں گے۔ لہٰذا اپنا تعارف کرائیں شاید داروغہ کو ہم پر رحم آ جائے۔ جب شام کو داروغہ کھانا دینے آیا تو چھوٹے شہزادے نے کہا:

اے بزرگ! کیا آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانتے ہیں؟

اس نے کہا: ہاں پہچانتا ہوں، وہ تو میرے نبی ہیں۔

پھر شہزادے نے کہا: کیا جعفر بن ابی طالب علیہ السلام کو جانتے ہیں؟

اس نے کہا: کہ ہاں پہچانتا ہوں جعفر تو وہ شخصیت ہیں کہ خدا نے جنت میں ان کو دو پر عطا کیے ہیں تا کہ ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتے رہیں۔

بچے نے کہا: کیا حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو پہچانتے ہو؟

اس نے کہا: ہاں انکو کیسے نہ پہچانوں، وہ تو میرے امام ہیں۔

پھر شہزادے نے کہا: اے بزرگوار! ہم تمہارے پیغمبر کی عترت و ذریت ہیں- ہم مسلم بن عقیل کے بیٹے ہیں اور تمہارے ہاتھوں گرفتار ہیں- ہم پر اس قدر سختی نہ کر، کچھ نہ کچھ پیغمبر اسلام (ص) کی وجہ سے ہم پر مہربانی کرو-

جونہی اس شیخ نے یہ بات سنی تو شہزادوں کے قدموں میں گر پڑا اور پاؤں کو بوسہ دے کر کہنے لگا: اے ذریت پیغمبر! میری جان تم پر قربان، ابھی زنداں کا دروازہ کھولتا ہوں، جہاں جانا چاہو چلے جاؤ-

اس طرح جب داروغہ رات کا کھانا لے کر آیا تو بچوں کو زنداں سے آزاد کر دیا اور کہا کہ میری آنکھوں کے نور تمہارے دشمن بہت زیادہ ہیں ان سے بچتے رہنا اور رات کو سفر کرنا اور دن کو چھپ کر آرام کرنا۔ یہ شہزادے سفر کرتے کرتے ایک بوڑھی ضعیفہ کے گھر پہنچے اور اس ضعیفہ نے ایک کمرے میں انہیں چھپا دیا- دیر رات جب اس عورت کا داماد آیا تو اس نے اپنی بوڑھی ضعیفہ کو بچوں کے زندان سے نکل جانے اور انعام کے اعلان کا بتایا- عورت نے اسے نصیحت کی کہ پیغمبر کی دشمنی سے پرہیز کرو۔ عورت نے دروازہ کھولا اور اسے کھانا دیا۔ رات کو اس نے شہزادوں کی سانسوں کو چلتا محسوس کیا تو مشتعل اونٹ کی طرح اٹھا اور غصے سے آوازیں نکالنے لگا- اور سانسوں کی آواز کو سنتا ہوا شہزادوں تک جا پہنچا اور اس کا نجس ہاتھ چھوٹے شہزادے کے بالوں تک جا پہنچا۔

مظلوم شہزادے نے کہا اگر ہم سچ بتادیں تو کیا تو ہمیں تکلیف تو نہ دے گا؟

اس نے ان کی جان کی امان کا اقرار کیا تو شہزادوں نے اپنا تعارف کرا دیا- جب صبح ہوئی تو اس ملعون نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ نہر فرات کے کنارے لے جا کر انہیں قتل کر دو۔ لیکن جب غلام کو انکے ذریت پیغمبر ہونے کا علم ہوا تو اس نے خود نہر میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی-

حارث خبیث نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ انہیں قتل کر دو اس نے بھی باپ کے حکم کی مخالفت کی اور نہر کے دوسرے کنارے چلا گیا۔

جب اس نے یہ حال دیکھا تو خود تلوار لہراتا ہوا شہزادوں کے نزدیک آیا۔ شہزادوں نے رحم کی فریاد کی اور کہا کہ ہمارے چھوٹے سن اور بچپن پہ رحم کر- اس نے کہا کہ خدا نے میرے دل میں رحم پیدا ہی نہیں کیا۔

پس طفلان مسلم نے نماز کی مہلت مانگی- اور چار چار رکعت نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ ہمارے اور اس کے درمیان تو ہی فیصلہ فرما۔ اسی وقت اس ملعون نے بڑے شہزادے پر تلوار کھینچی اور سر تن سے جدا کر دیا- اور سر کو ٹوکری میں رکھ لیا- جب چھوٹے شہزادے نے یہ منظر دیکھا تو اپنے بھائی کے سر سے لپٹ گیا اور کہا کہ میں اپنے بھائی کے خون سے خضاب کرتا ہوں تا کہ اسی حالت میں رسول خدا (ص) سے ملوں۔

اس ملعون نے کہا کہ میں ابھی تجھے تیرے بھائی سے ملحق کرتا ہوں اور اس نے چھوٹے شہزادے کا سر بھی تن سے جدا کر دیا اور ان کو ٹوکری میں ڈال کر عبید اللہ کے دربار میں جا پہنچا-

عبید اللہ ملعون کی نظر جب اُن نورانی سروں پر پڑی تو تین دفعہ کرسی سے اٹھا اور بیٹھا- اور قاتل سے مخاطب ہو کر کہا کہ تو برباد ہو جائے تو نے انہیں کہاں سے تلاش کیا۔

حارث ملعون نے کہا کہ یہ ایک بوڑھی عورت کے مہمان تھے-

ابن زیاد کو یہ جواب ناگوار گزرا، اس نے کہا تو نے ان کے مہمان ہونے کا بھی لحاظ نہ کیا اور اس ملعون کو قتل کرنے کا حکم دے دیا اور کہا کہ اس کو اسی نہر کے کنارے لے جا کر قتل کر دو اور اس کا سر میرے پاس لے آؤ-

جب کوفہ کے بچوں نے اس ملعون کا سر نوک نیزہ پر دیکھا تو اسے پتھر مارنے لگے اور کہنے لگے یہی ہے منکر ذریت پیغمبر.....

اللہ نے طفلان مسلم کی فریاد کو سنا اور ان کے اور حارث کے درمیان فیصلہ فرما دیا-

لعنت بر حارث ملعون..... لعنت بر ابن زیاد ملعون.....{مدینہ سے مدینہ تک، صفحہ: ۱۳- ۱۳۵}

واقعہ شہادت کو مزید تفصیل کے ساتھ جاننے کے لئے مقتل یا مجالس کی کتابوں کا مطالعہ فرما سکتے ہیں۔☆☆-----☆☆(بشکریہ، ماہنامہ اصلاح، نونہالان کربلا نمبر ۲۰۲۴)

فرزندان جناب مسلمؑ ابن عقیل کی کوفہ میں دردناک شہادت

مولانا سید شمشاد حسین ناروے

کربلا کے واقعات کا تذکرہ کن ماٰخذ یا مصادر سے کیا جائے، تاریخ کا حوالہ دیا جائے جو یکسر مخالفین اہلبیتؑ کی تحریری بازی گری کا نتیجہ ہیں یا پھر مقتل سے کچھ اطلاعات حاصل کئے جن میں اہلبیت علیہم السلام کے بعض افراد کی کربلا اور اس کے بعد کوفہ وشام میں موجودگی پر منحصر رثائی فقرات واشعار، خطبات، یا پھر مصائب وآلام سے درد بھرے کلمات کا نقل ہونا ہیں۔ اس کے علاوہ پیروان اہلبیتؑ سے سینہ بہ سینہ اور پھر کتابوں میں درج ہوئے جملات سے استفادہ کیا جائے۔ عمومی طور سے کربلا کی دُکھ بھری داستان کا اساسی و بنیادی ماٰخذ تاریخ کو ہی سمجھا جاتا ہے۔ مقتل، لغوی اعتبار سے قتل کی جگہ کو کہا جاتا ہے لیکن اہل علم اور خطابت کی دنیا میں اُن کتابوں کو کہا جاتا ہے جن میں کسی شخص (زیادہ تر حضرت امام حسین علیہ السلام) کے قتل کی تفصیلات کا تذکرہ ہو۔

طفلان حضرت مسلم علیہ السلام کے ذکر سے پہلے خود حضرتِ مسلمؑ کا ذکر (گرچہ مختصر ہی صحیح) نہ ہو تو عنوان پر تحریر، ناقص ہی ہوگی۔ اور جب حضرت مسلمؑ کی بات ہو تو پھر، سالارِ شہیدان حضرت امام حسین علیہ السلام کے فقرات کا نقل کیا جانا، ناگزیر ہوگا۔ جو انھیں کوفہ بھیجنے کے وقت آپؑ نے کوفیوں کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا:- انی باعث الیکم اخی و ثقتی

''میں اپنے قابلِ اعتماد بھائی کو، آپ لوگوں کی طرف بھیج رہا ہوں''۔

حضرت علی علیہ السلام کے بھائی جناب عقیلؑ کے فرزندِ ارجمند جناب مسلمؑ تھے۔ وہ کسی بھی وقت حضرت امام حسین علیہ السلام سے عمداً جُدا نہیں ہوئے۔ اور جناب مسلمؑ کے گریہ وبکا کا قابلِ غم واندوہ منظر اُس وقت دیکھنے میں آیا جب امامؑ نے انھیں کوفہ جانے پر مامور کیا۔ جب کسی نے پوچھا کہ اپنے قتل یا ہلاکت پر رو رہے ہو تو برجستہ جناب مسلمؑ نے جواب دیا: ''ہرگز ایسا نہیں ہے! بلکہ اپنے امامِ عظیم الشان اور محبوب بھائی کی جدائی اور فراق پر رو رہا ہوں۔'' یہ جملہ اُن کی عظمت کا برملا اعلان ہونے کے ساتھ ساتھ، اُن کے عشقِ حقیقی کی جو عکاسی کرتا ہے وہ بیان وتبصرہ سے کہیں بالاوبرتر ہے۔

جنابِ مسلمؑ کوفہ پہنچے اور حضرت امام حسینؑ کے لئے، اٹھارہ ہزار لوگوں سے بیعت لی مگر یزیدی نمائندہ اور کوفہ کا جدید گورنر عبید اللہ ابن زیاد نے کوفہ والوں کو ڈرا دھمکا کر شورش زدہ (کرفیو) جیسا ماحول بنا دیا کہ سفیر امامؑ جنابِ مسلمؑ، مسجد میں نماز عشا کے بعد یک وتنہا رہ گئے۔ طوعہ مومنہ کے گھر، رات عبادت میں گزاری لیکن -----اسی کے بیٹے بلال نے جاسوسی کر کے ابن زیاد تک خبر پہنچا ہی دی اور نتیجہ میں جناب مسلم علیہ السلام کو ایک دھوکہ اور سازش کے تحت جنگ کرنی پڑی، جس میں مقابلہ، میدان کے بجائے گلی میں تھا۔ یک وتنہا مسلمؑ مسلح فوج کے مقابلے میں حوصلہ وہمت وبہادری سے لڑے۔ پہلے حملے میں پانچ سو سواروں میں سے ایک سو اسّی دشمنوں کو واصل جہنم کیا۔ محمد ابن اشعث نے ابن زیاد سے مزید مدد طلب کی۔ اس نے پانچ سو سوار پھر بھیجے۔ اس پر ابن زیاد نے اس کی ملامت کی مگر ابن اشعث نے کہا کہ میرا مقابلہ ایک ہاشمی بہادر شیر سے ہے۔ ابن زیاد نے کہلایا کہ مسلمؑ کو جنگ کے بجائے امان کے حیلہ سے پکڑ لو۔ جناب مسلمؑ نے امان قبول نہ کی۔ جب امان کا دھوکہ ناکام ہوا تو راستہ میں ایک گڑھا کھود کر اور اسے گھاس پھوس سے چھپا کر انھیں اس میں گرا دیا۔ آخر میں انھیں گرفتار کر کے دشمن ملعون ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا اور اُس ملعون کے حکم سے ''جہادِ کربلا'' کا مقدمہ بن کر اپنے امامؑ پر جان قربان کر کے، شہادت کے ایسے درجہ پر فائز ہوئے کہ کربلا کے اولین شہیدوں میں اُن کا شمار ہوتا ہے۔ (اَللّٰهُمَّ ارْزُقنا زِيَارَته في الدنيا والشفاء في الآخرة)

کتب تاریخ میں منقول ہے کہ جناب مسلمؑ بن عقیل، حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جب مدینہ سے چلے تھے تو اُن کی اولاد میں ایک بیٹی اور اُن کے چار بیٹے ہمراہ تھے۔ دو بیٹے راستے میں گم ہو گئے (یا دونوں جناب مسلمؑ کی شہادت کے بعد شہید کئے گئے) اور دو کربلا پہنچے تھے۔ بعض مورخین نے دو بیٹوں کا ہی تذکرہ کیا ہے، جن کے نام بترتیب عبد اللہؑ اور محمدؑ تھے۔ عبد اللہؑ کی ماں کا نام رقیہ کبریٰ تھا جو حضرت علی بن ابیطالب کی بیٹی تھیں۔ اور محمدؑ کی ماں کنیز تھیں۔ طفلانِ مسلم بن عقیل کی اسارت اور شہادت کی داستان تاریخ و روایات میں بہت ہی مختلف انداز میں نقل ہوئی ہے۔ جناب شیخ صدوق (متوفی ۳۸۱ھ) نے کچھ اس طرح نقل کیا ہے:

جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام شہید ہو گئے۔ اُن کے لشکر سے دو کم سن چھوٹے بچے گرفتار کئے گئے۔ اور ان دونوں کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس پہنچا دیا گیا۔ اُس نے ایک زندان بان کو بلایا اور کہا کہ ان دونوں کو قید میں ڈال دو۔

اس کے بعد کوفہ میں فرزندان مسلم کی شہادت کی جو تفصیل کتابوں میں رقم ہے وہ درج ہے۔ ان کے دو بیٹوں کی قید اور شہادت کا تذکرہ ہے۔ چونکہ کوفہ میں فرزندان جناب مسلم کی شہادت کے سلسلے میں موضوع کسی دوسرے اہل قلم کے سپرد کیا گیا ہوگا۔ لہٰذا اس سلسلے کے تفصیلات درج کرنے سے میں گریز کر رہا ہوں۔

نوٹ: (۱) مولانا سید علی حیدر نقوی (طیب اللہ رمسہ) نے لکھا ہے کہ حضرت مسلمؑ کے ایک بیٹے ابو عبد اللہ تھے۔ جو واقعہ کربلا میں شہید ہوئے۔ (تاریخ ائمہ۔۔ص ۳۱۴۔)

(۲) مولانا سید نجم الحسن رضوی (رضوان اللہ علیہ) نے لکھا ہے کہ حضرت مسلمؑ کے دو بیٹے محمد اور ابراہیم تھے۔ جو بعدِ واقعہ کربلا شہید ہوئے۔ چودہ ستارے۔۔ص۔۔ ۲۳۴۔۔)

(۳) علامہ طالب جوہری (اعلی اللہ مقامہ) نے حضرت مسلمؑ کے دونوں بیٹوں کے نام لکھے بغیر پورے واقعہٴ شہادت کو لکھا ہے۔ جو بعدِ واقعہ کربلا شہید ہوئے۔ (حدیث کربلا۔۔، ص ۱۱۵ سے ۱۱۷ تک۔)

☆☆-----☆☆(بشکریہ، ماہنامہ اصلاح،

مقاصد حسینی کے تکمیل میں نونہالان حسینی کے کردار

مولانا سید شجاعت حسین رضوی گوپالپوری

خدا نے انبیاء خاص طور سے آخری نبی محمد مصطفی ﷺ کی غرض بعثت اس طرح بیان کی ہے هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ یعنی آیات الٰہی کی تلاوت، تزکیۂ نفس اور کتاب وحکمت کی تعلیم غرض بعثت تھا۔ اور یہ سب علم کامل اور عقل کامل کے بغیر ممکن نہیں ہے گویا خداوند عالم بتا دینا چاہتا تھا کہ جس کو ہدایت کے لئے بھیجا ہے وہ علم کی دولت سے بھی مالا مال ہے اور عقل کی دولت سے بھی۔ اور بھیجے ہوئے ہادی کے لئے ان دونوں پر زوال کسی بھی صورت میں اور کسی بھی وقت ممکن نہیں ہے ورنہ غرض بعثت فوت ہو جائے گا۔

امام حسینؑ نے سفر کربلا کا مقصد اپنے جد کی سنّت کا احیاء بتایا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بعد پیغمبر آیات الٰہی کی تلاوت نہیں ہو رہی تھی، نفس پر شیطان کا غلبہ ہو گیا تھا اور کتاب وحکمت کی تعلیم کا سلسلہ رک گیا تھا۔ مقاصد حسینی کے تکمیل میں جہاں بڑوں نے اہم کردار ادا کئے تھے وہیں نونہالان حسینی نے بھی اپنے معصوم اور چھوٹے وجود سے بڑے کارنامے انجام دیئے تھے۔

اگر کوئی شخص ذہنی توازن کھو دے تو اس کی بات کا اعتبار نہیں ہوتا تو اگر معاذ اللہ نبیؐ کے لئے ایسا ممکن ہو تو اس کی بھی بات کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور شریعت دنیاوی باتوں کا مجموعہ بن کر رہ جائے گی ہماری جانیں قربان ہوں پسران مسلم پر جنہوں نے اپنے قول وعمل سے ثابت کر دیا تھا کہ نبیؐ کی جانب ہذیان کی نسبت ایک بکواس تھی اور بس۔

اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب پسران مسلم کے قاتل نے ان کی ایک بھی بات نہ مانی تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت مانگی نماز کے بعد ہاتھوں کو بلند کیا اور آسمان کو دیکھ کر ایسے فقرے زبان پر جاری کئے جو ثابت کر رہے تھے کہ یہ دونوں خاندان نبوت سے ہیں اور جب ایسے کٹھن موقع پر انہوں نے حواس نہیں کھوئے تو پھر نبیؐ کس طرح حواس کھو سکتے تھے۔ کیونکہ جب قاتل تلوار لئے قتل کے لئے کھڑا ہو تو انسان بدحواس ہو کر نامربوط کلام کرنے لگتا ہے۔ مگر پسران مسلم نے تلوار کے سائے میں ایسے جملے زبان سے جاری کئے جن کو سن کر فصاحت وبلاغت نے بڑھ کر ان کے منہ چوم لئے تھے۔

پسران مسلم نے ننھے ننھے ہاتھوں کو بلند کر کے کہا تھا یا حی یا حکیم یا أحکم الحاکمین احکم بیننا وبینه بالحق اس میں لفظوں کا انتخاب دیکھئے کہ چونکہ خود کو موت سے قریب پا رہے تھے اس لئے خدا کو حیّ (زندہ) کہہ کر پکارا اور چونکہ بندوں کے مبتلائے بلاء ہونے میں خدا کی حکمت ہوتی ہے اس لئے اس کو حکیم کہہ کر آواز دی۔ ایسے سخت موقع پر مناسب لفظوں کا انتخاب ان کے پورے ہوش وحواس کا عکاس ہے تو جب نبی کے گھرانے کے بچے موت کو دیکھ کر اپنا ذہنی توازن نہیں کھوتے تو بخار کی حالت میں نبیؐ کیسے توازن کھو دیتے۔ پسران مسلم نے اپنے عمل سے ہذیان کی نسبت دینے والے کے رخسار پر طمانچہ مار کر مقاصد حسینی کی تکمیل میں بہت بڑے بڑے کردار ادا کئے ہیں۔

میدان کربلا میں شریعت محمدی، حسینؑ تھے جس کو ختم کرنے کے لئے ہزاروں بلکہ لاکھوں کا لشکر اکٹھا ہوا تھا۔ ایسے موقع پر صاحب ایمان پر حفظ شریعت واجب تھا اسی لئے پہلے انصار نے اپنی جانیں دے کر حسینؑ کو بچانے کی کوشش کی اور جب ان کا سلسلہ ختم ہوا تو اعزاء نے قربانی دینا شروع کی جو چاہتے تھے کہ خود نہ رہیں مگر شریعت حسین کی شکل میں بچی رہ جائے اور جب وہ بھی درجہ شہادت پر فائز ہو گئے تو حسین تنہا رہ گئے۔ جب عبد اللہ ابن حسن نے دیکھا کہ چچا نرغہ اعدا میں گھرا ہوا ہے اور دشمن ان کا کام تمام کرنا چاہتا ہے اب اس سے رہا نہ گیا اور جیسے قاتل نے تلوار کا وار کیا اپنا ایک ہاتھ بڑھا کر اس وار کو روکا جس کی وجہ سے وہ ہاتھ قلم ہو گیا اور تھوڑی دیر میں اس نے بھی دم توڑ دیا۔

یہاں تک کی شہادتوں نے یہ ثابت کیا کہ یزید کا لشکر مسلمانوں کا لشکر نہیں تھا۔ مگر ایک بچے کی شہادت نے ثابت کر دیا کہ یزید کے لشکر میں نہ کوئی مسلمان تھا نہ انسان تھے اس بچے کا نام علی اصغر ہے جس کے بارے میں ابن شہر آشوب کی ایک غیر مشہور روایت ہے کہ: وفي حجره علي الأصغر فرمي إليه بسهم فأصاب حلقه فجعل الحسين يأخذ الدم من نحره فيرميه إلى السماء فما يرجع منه شيء حضرت کی آغوش میں علی اصغر تھے کہ تیر آیا اور وہ بچے کے گلے پر لگا حسینؑ نے چلو میں خون لے کر آسمان کی طرف اچھال دیا جو واپس نہ آیا۔ اس روایت پر استاذ العلام ضیاء العلماء مولانا وصی محمد صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ نے اپنی کتاب الرضیع الظامی (پیاسا شیر خوار) میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ ممکن ہے یہ بچہ یعنی عبد اللہ رضیع کسی دوسری ماں سے ہو اور نو مولود ہو، تسامح کی وجہ سے دونوں کو ایک ہی سمجھ لیا گیا ہو۔ یہ ممکن ہے کہ مناقب ابن شہر آشوب میں اختصار کے پیش نظر تفصیلات کے تذکرے سے گریز کیا گیا ہو۔ جبکہ متعدد صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ امام حسینؑ علی اصغرؑ کو عبا کا سایہ کر کے میدان میں لے گئے اور ان کے لئے پانی کا سوال کیا مگر پانی کے بجائے تیر سہ شعبہ سے اس کو سیراب کیا گیا۔

گویا پسران مسلم نے حفظ شریعت کی جو حواس صاحب شریعت پر موقوف تھا، ابن حسن نے محافظ شریعت کی جان بچانے کی کوشش کر کے شریعت کو بچانے کی سعی کی اور علی اصغر نے لشکر یزید کے اصلی چہرے کو پیش کیا اور یوں یہی مقاصد حسینی تھے جن کو بڑوں کے ساتھ ساتھ چھوٹوں نے بھی پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی۔ (بشکریہ، ماہنامہ اصلاح، نونہالان کربلا نمبر ۲۰۲۴)